"Social evils and its Remedies"

غلامی کا انسداد

یا

غریب کی دنیا

از

کاؤنٹ لیو ٹالسٹائی

پبلشرز

میسرز لاجپت رائے اینڈ سنز تاجران کتب

لوہاری گیٹ - لاہور

بار دوم

قیمت ۱۲ر

فہرست مضامین

1952

چند الفاظ

مشہور رُوسی فلاسفر اور ناول نویس کاونٹ لیو ٹالسٹائی کسی تعارف کا محتاج نہیں۔ اسے روس میں وہی درجہ حاصل رہا ہے۔ جو مہاتما گاندھی اور سر رابندر ناتھ ٹیگور کو بھارت ورش میں۔ میزینی کو اٹلی میں اور ڈی ویلیرا کو آئرلینڈ میں! اس نے جس قدر کتابیں لکھی ہیں۔ وہ مذہبی اخلاقی اور پولیٹکل نقطۂ نگاہ سے اپنی نظیر آپ ہیں۔ اور ہمیں یہ فخر ہے۔ کہ ہم اس کی لاجواب تصنیف "Social Evils & its Remedies" کا مکمل ترجمہ آپ کی خدمت میں پیش کر رہے ہیں۔ مصنّف نے جس مضمون کو بھی لیا ہے۔ خوب نباہا ہے۔ بلکہ کتاب میں بعض بعض ابواب تو ایسے ہیں۔ کہ سُنہری حرفوں میں لکھنے کے قابل! اگر سچ پوچھا جائے۔ تو ہم یہ کہے بغیر نہیں رہ سکتے۔ کہ کاؤنٹ ٹالسٹائی آہنسا کا اوتار۔ تشدّد کا دشمن اور نیکی کا فرشتہ تھا۔ اُس نے اپنی کتابوں کے ذریعے سینکڑوں اور ہزاروں گمراہ ہستیوں کو سیدھے راستے پر ڈال دیا۔ اُسے حضرت مسیح کا سچّا پیرو کار ہونے کا فخر حاصل ہے۔ اور

ہمارا دعوےٰ ہے - کہ جو شخص اس کے بنائے ہوئے اصولوں پر عمل کریگا - وہ یقینی طور پر ایک دن انسان سے فرشتہ بن جائے گا ٭

چونکہ ہم اس کے خیالات کی قدر کرتے ہیں - اس لئے ہم نے کتاب میں بے جا تصرّف سے کام نہیں لیا - اور بجنسہٖ اس کے خیالات اُردو زبان میں منتقل کر دئے ہیں - اب ان پر عمل کرنا اور فائدہ اُٹھانا آپ کا کام ہے ٭

پبلشرز

پہلا باب

زمین اور مزدوری

مَیں نے دیکھا۔ اِنسان گائے۔ بَیلوں۔ بچھڑوں اور مویشیوں کی طرح ایک احاطے میں بند ہیں۔ جس کے چاروں طرف کانٹوں دار تار لگی ہوئی ہے۔ احاطہ کے باہر خوبصورت ہری بھری چراگاہ ہے۔ جس میں کافی چارہ موجود ہے۔ لیکن احاطے کے اندر مویشیوں کے لئے کافی گھاس نہیں۔ اِس لئے وہ اپنا پیٹ بھرنے کے لئے لڑتے ہیں۔ جھگڑتے ہیں۔ اور ایک دوسرے کو پاؤں تلے روند دیتے ہیں۔ پھر میں نے مویشیوں کے مالک کو دیکھا۔ وہ نیک خصلت اور شریف آدمی معلوم ہوتا تھا۔ وہ مویشیوں کے پاس آیا۔ اور جب اُس نے اپنے مویشیوں کی یہ حالت دیکھی تو اُسے افسوس ہؤا۔ اور اُن کی حالت کو بہتر بنانے کی تجاویز سوچنے لگا۔

اُس نے مویشیوں کے لئے ہوادار چھپر ڈلوا دئے۔ تاکہ وہ رات کو اُن کے اندر آرام کر سکیں۔ اُس نے اُن کے سینگوں پر دھان کے پتر سے چڑھوا دئے۔ تاکہ وہ لڑتے وقت اُن کو بے رحمی

سے استعمال نہ کر سکیں۔ بوڑھے بیلوں اور پرانی گائیوں کے لئے
اُس نے اُس احاطے کا ایک علیحدہ حصّہ مقرر کر دیا تاکہ وہ آرام
سے رہ سکیں۔ اور گھاس حاصل کرنے کے لئے اُنہیں تکلیف
نہ اُٹھانی پڑے۔ ننھے بچھڑوں کے لئے جو آپس کی لڑائی اور بھوک
سے مر رہے تھے اُس نے صبح کے وقت دودھ باندھ دیا تاکہ
وہ زندہ رہ سکیں۔ مویشیوں کے مالک نے اُنہیں آرام اور سکھ
دینے کے لئے سب کچھ کیا۔ جو کچھ کہ وہ کر سکتا تھا۔ لیکن جب میں
نے اُس سے پوچھا کہ بھئی تار کیوں نہیں ہٹا دیتے۔ تاکہ یہ مویشی باہر
آ جا سکیں اور ہری بھری چراگاہ میں گھوم سکیں۔ تو کہنے لگا
کہ کیسے چھوڑ دوں۔ دُودھ بھی تو دوہنا ہے ؛

دُوسرا باب

کام کی تقسیم

خواہ انسان کسی طرح اور کہیں بھی رہے۔ اس کا مکان اور مکان کی چھت خود بخود نہیں بن جاتی۔ اس کے چولھے میں لکڑی خود ہی نہیں جلنے لگتی۔ پانی ہاتھ پاؤں ہلائے بغیر میسّر نہیں آتا۔ اور روٹیاں آسمان سے نہیں گر پڑتیں۔ کھانا۔ کپڑے اور جوتے سب کچھ بنانے پڑتے ہیں اور یہ چیزیں بناتے کون ہیں؟ ——
وہ جن میں سے سینکڑوں اور ہزاروں خوراک اور کپڑوں کے لئے ترستے ہیں۔ اور جو محنت مزدوری کر کے بھی اپنا اور اپنے بچوں کا پیٹ نہیں پال سکتے۔ بلکہ وقت سے پہلے ہی راہیِ مُلکِ عدم ہو جاتے ہیں۔

دنیا میں تمام اشخاص اپنی ضروریات کو بہم پہنچانے کے لئے جدوجہد میں مصروف ہیں۔ اُن کی جدوجہد کے دوران میں ہی ان کے بھائی بند موت کا شکار ہو جاتے ہیں۔ مگر وہ کچھ نہیں کر سکتے۔ وہ لوگ ٹوٹے ہوئے اور پانی میں غرق ہوتے ہوئے جہاز پر مسافروں کی مانند کھڑے ہیں۔ جن کی حفاظت اور کھانے پینے کا کچھ بندوبست نہیں۔ اور جو زندگی کی آخری گھڑیاں گن رہے ہیں۔ خدا نے ان لوگوں

کو ایسی حالت میں رکھتا ہے۔ کہ انہیں اپنی خوراک اور ضروریات بہم پہنچانے کے لئے دن رات کش مکش میں مبتلا رہنے کی ضرورت ہے۔ جو کام جس کے سپرد ہے اس میں کسی قسم کی رُکاوٹ پیدا کرنا یا دوسروں کے کام میں دخل دینا سب کے لئے مُضر، نقصان دہ اور تباہی آور ہے۔ لیکن پھر بھی دیکھا جاتا ہے کہ بہت سے تعلیم یافتہ آپس میں آہستہ آہستہ دوسروں کے حقوق غصب کر رہے ہیں۔ وہ سمجھتے ہیں کہ یہ طریقہ ناجائز یا بُرا نہیں +

اگر ایک موچی ناکارہ جوتے بنا کر یہ دعوے کرے کہ مجھے اس کے دام ضرور ملنے چاہئیں۔ یا اب میں روٹی کا حقدار ہو گیا ہوں۔ تو کیسا مضحکہ خیز معلوم ہوگا۔ مگر اُس شخص کے متعلق آپ کیا کہینگے جو سرکار کا خیر خواہ۔ پادری۔ آرٹسٹ اور سائنس داں ہے۔ مگر پبلک مفاد کے لئے کچھ نہیں کرتا اور پھر بھی یہ دعوے کرتا ہے کہ میں دُنیا کے عیش و آرام کا حق دار ہوں +

کام کی تقسیم ہمیشہ سے چلی آئی ہے۔ مگر یہ تقسیم کس طرح ہونی چاہیئے۔ یہ انسان خود ہی اپنی عقل اور ضمیر سے صحیح فیصلہ کر سکتا ہے۔ اس کا فیصلہ تب ہی ہو سکتا ہے۔ جب ہر ایک کے حقوق کو تسلیم کیا جائے۔ جب ہم دوسروں سے چاہتے ہیں کہ وہ ہمارے لئے کارآمد اور مفید ثابت ہوں۔ تو ہمارا بھی فرض ہے کہ ہم ان کے لئے اپنی زندگی وقف کر دیں اور اُن کی ضروریات کو پورا کرنے کی کوشش کریں۔ ایک شخص جو بچپن سے جوانی تک دوسرے کے کندھوں پر سوار رہتا ہے۔ اور وعدہ کرتا ہے کہ میں تمہارے لئے یہ کرونگا اور وہ کرونگا۔ لیکن کرتا کچھ

بھی نہیں ۔ اور جب وہ اپنی تعلیم سے فارغ ہو کر اپنی باقی ماندہ زندگی بھی وعدوں ہی وعدوں میں گزار دیتا ہے ۔ تو آپ اُسے کیا کہینگے ۔ وہ شخص دوسروں کو اُلو بنا کر اپنا اُلو سیدھا کرنا چاہتا ہے ۔ دوسروں کی محنت سے خود فائدہ اُٹھا لیتا ہے ۔ مگر خود ہاتھ پاؤں نہیں ہلاتا ۔ کیا اس کا نام کام کی تقسیم ہے ؟

انسانی دائرے میں کام کی تقسیم شروع سے قائم رہی ہے اور ہمیشہ رہے گی ۔ مگر سوال یہ ہے کہ صحیح تقسیم کس طرح اور کیونکہ ہو سکتی ہے ؟ لوگ یقین کے ساتھ رائے زنی کرتے ہیں ۔ کہ کام کی تقسیم کے لحاظ سے ہر ایک کا کام جداگانہ ہے ۔ قدرت کی طرف سے بعض کو اگر دماغی اور روحانی کام ملا ہے تو بعض کو جسمانی !

اے مزدورو ! تم لوگ مجھے کھلاؤ ۔ میرا لباس تیار کرو ۔ اس کے علاوہ میرے لئے وہ تمام محنت کرو ۔ جس کے تم شروع سے عادی ہو ۔ اور میں تمہارے لئے دماغی کام کرونگا ۔ جو میرا معمول بن گیا ہے ۔ تم لوگ مجھے جسمانی خوراک بہم پہنچاؤ ۔ اور میں تمہیں روح کی غذا دونگا !

ان الفاظ میں خیالات کا اظہار کس قدر صاف ہے ۔ لیکن یہ تبادلہ آزادی کے ساتھ نہیں ہوتا ۔ کیونکہ مزدوروں کو ہر صورت میں جسمانی خوراک روحانی غذا حاصل کرنے سے پہلے بہم پہنچانی پڑتی ہے ۔

روحانی غذا کا پیدا کرنے والا کہتا ہے ۔ اس سے پیشتر کہ میں تم لوگوں کو روحانی غذا بہم پہنچانے کے قابل بن سکوں ۔ تم میرے کھانے پینے کا بندوبست کرو ۔ میرے کپڑے بناؤ ۔ اور میرے گھر کا کوڑا کرکٹ صاف کرو ! " اور غریب مزدور کو یہ سب کچھ کرنا پڑتا ہے ۔ خواہ اُسے

روحانی غذا ملے یا نہ ملے! اگر یہی تبادلہ آزادی کے ساتھ ہوتا۔ تو دونوں طرف کی شرائط مساوی ہوتیں مگر اب یہ شرائط مساوی نہیں کہی جاسکتیں +

ہم تسلیم کرتے ہیں کہ انسان کو روحانی غذا کی بھی ویسی ہی ضرورت ہے جیسی جسمانی کی! مگر غضب تو یہ ہے کہ مزدور اپنے پسینے کی کمائی گورو کے ارپن کر دیتا ہے۔ اور اُسے بدلے میں یہ ضروری ہے کہ روحانی غذا میسر آئے۔ تعلیم یافتہ شخص یا آرٹسٹ کہتا ہے " اِس سے پیشتر کہ ہم لوگوں کو اپنے دماغ کا نچوڑ پیش کریں۔ اُن کا فرض ہے کہ وہ ہمیں جسمانی خوراک بہم پہنچائیں +

پڑھے لکھوں کا جب یہ دعوے ہے تو ہمارے خیال میں مزدوروں کو بھی یہ کہنے کا پورا حق ہونا چاہیئے۔ کہ بھئی! ہم تمہیں جسمانی خوراک پیچھے دینگے۔ پہلے ہمارے لئے روحانی خوراک چاہیئے۔ جب تک ہمیں روحانی خوراک نہیں ملے گی۔ ہم محنت مزدوری نہیں کر سکتے +

ادھر تم کہتے ہو کہ مجھے کسان۔ سُنار۔ موچی یا ترکھان وغیرہ کی خدمات کی ضرورت ہے۔ تاکہ وہ روحانی خوراک جو میں تمہیں دینا چاہتا ہوں اُن کے لئے تیار کرسکوں +

اُدھر مزدور کہتا ہے۔ کہ نہ بھئی! یہ سودا ٹھیک نہیں ہے۔ اس سے پیشتر کہ میں تمہارے کام آؤں۔ مجھے تمہاری روحانی غذا کی ضرورت ہے۔ مذہبی اُپدیش کو سُن کر میرے جسم میں کام کرنے کی طاقت آجائیگی۔ میری معلومات وسیع ہوجائینگی۔ اور میں صحیح طریقے پر محنت کرسکوں گا۔ اس کے علاوہ تمہارے آرٹ سے مجھے آرام اور آسایش مُیسّر ہوگی۔

میرے پاس اتنا وقت نہیں کہ زندگی کے صحیح معانی سمجھنے کے لئے اپنی دماغی طاقت کو کام میں لاؤں ÷

میرے پاس اتنا وقت نہیں کہ میں زندگی ۔ سوسائٹی اور اس کے اصولوں پر غور کرسکوں ۔ جن پر عمل نہ کرنے سے انصاف میں گڑبڑ ہو جانے کا اندیشہ ہے ۔ تمہارا فرض ہے کہ یہ باتیں مجھ کو بتاؤ ۔ میں فلاسفی اور کیمسٹری وغیرہ نہیں پڑھ سکتا ۔ ان کتابوں کو تم لوگ پڑھو ۔ اور مجھے بتاؤ ۔ کہ میں اپنے ہتھیاروں کو کس طرح ٹھیک رکھ سکتا ہوں ۔ کام کرنے کا طریقہ ۔ سینے کا طریقہ ۔ مکان کے لئے روشنی اور جاڑوں میں گرمی بہم پہنچانے کا طریقہ ——— سب کچھ مجھے بتانا ہوگا ۔ نغمہ اور نظم سمجھنے کے لئے نہ تو عقل ہی ہے اور نہ وقت ہی ! تم لوگ جب روحانی غذا دینے کا وعدہ کرتے ہو ۔ تو اپنے عمل سے ثابت کرو ۔ تاکہ میری زندگی ایک خوشگوار زندگی بن جائے ۔ اور میں آرام سے رہ سکوں ÷

تم لوگ کہتے ہو کہ اگر مزدور لوگ تمہارے لئے کام کرنا چھوڑ دیں ۔ تو تم اپنا کام جیسے تم دوسروں کے فائدے کے لئے بتاتے ہو ۔ جاری نہیں رکھ سکتے ۔ لیکن میں کہتا ہوں ۔ کہ ایک مزدور بھی کل کو یہ کہنے کا حق رکھتا ہے کہ میں بھی دماغی خوراک کے بغیر اپنا نہایت ضروری کام نہیں کرسکتا ۔ مثلاً کھیت میں ہل جوتنا ۔ فضلے کی گاڑیاں شہر سے باہر لے جانا ۔ اور تمہارے گھروں کو صاف ستھرا رکھنا ——— کیا یہ معمولی کام ہیں ؟ اور تم انہیں کرسکتے ہو ؟ اگر تم مجھے آسایش بہم نہیں پہنچاتے ۔ سرکار میرے حقوق کو تسلیم نہیں کرتی ۔ تو میں یہ گندا

مگر نہایت ضروری کام کس طرح کر سکتا ہوں ؟

دماغی اور روحانی غذا جو تم نے آج تک مجھے یا میرے ہم پیشہ بھائیوں کو دی ہے۔ وہ میرے لئے کسی مصرف کی چیز نہیں۔ اور نہ ہی میں سمجھ سکتا ہوں۔ کہ وہ کسی کے کام میں بھی آسکتی ہے۔ یا نہیں۔ میں بتلا دینا چاہتا ہوں کہ جب تک مجھے دماغی تقویت آپ لوگوں کی طرف سے نہیں ملتی۔ میں جسمانی غذا بہم نہیں پہنچا سکتا؎

قارئین! ذرا غور تو کیجئے۔ کہ اگر مزدور لوگ یہی کہنے لگیں۔ جو ہم نے اُوپر لکھا ہے تو پھر کیا ہوگا۔ چھاتی پر ہاتھ رکھ کر کہئے۔ کہ اس میں صداقت ہے یا نہیں۔ ہمارے خیال میں یہ مذاق نہیں۔ بلکہ انصاف کا تقاضا یہی ہے۔ اگر ایک مزدور آپ سے اپنے حقوق طلب کرتا ہے۔ تو ہمارے خیال میں وہ حق بجانب ہے۔ کیونکہ ایک مزدور کی محنت اور کام ایک دماغی کام کرنے والے سے زیادہ قیمتی اور ضروری ہے۔ دماغی غذا نہایت آسانی سے مزدوروں کو دی جاسکتی ہے۔ کوئی روک ٹوک نہیں۔ مگر جسمانی خوراک بہم پہنچانے کے لئے مزدور کو اپنا پیٹ کاٹنا پڑتا ہے۔ اور یہ نہایت مشکل ہے؎

اگر مزدور ہم سے اپنے حقوق طلب کرنے لگیں۔ جو انصاف پر مبنی ہیں تو ہم کیا جواب دیں گے؟ ہم انہیں کس طرح مطمئن کر سکتے ہیں۔ ہمیں تو در اصل یہ بھی معلوم نہیں۔ کہ وہ چاہتے کیا ہیں۔ ہم نے کبھی اُن کی زندگی اور نقطۂ خیال کا مطالعہ کرنے کی کوشش نہیں کی۔ اور تو اور ہم اُن کی زبان تک بھول گئے ہیں۔ ہم سچ مچ اندھے ہیں۔ ہماری آنکھوں پر تاریکی کا پردہ پڑا ہُوا ہے۔ ہم اپنے فرائض کو بھول چکے ہیں۔ اور

نہیں جانتے۔ کہ ہماری محنت اور کام کسی کے لئے مفید بھی ہو سکتا ہے۔ یا نہیں۔ جن کی خدمت کرنا ہمارا فرض تھا انہیں ہم نے اپنا معمول بنا رکھا ہے۔ اور ان کی زندگیاں تباہ ہو رہی ہیں ؛

ہم ان کے اوضاع و اطوار اور خصلتوں کا مطالعہ کرتے ہیں۔ مگر اپنے لئے۔ اپنی خوشی کے لئے۔ اپنی دلچسپی کے لئے ہم قطعی طور پر بھول گئے ہیں۔ کہ یہ لوگ بھی ہم پر کچھ حق رکھتے ہیں۔ اور ان کی خدمت کرنا ہمارا فرض ہے ؛

ابھی وقت ہے۔ دوستو ! ہوشیار ہو جاؤ۔ جاگو ! اور اپنی عقل کا جائزہ لو۔ ہم غاصب بن کر حضرت موسےٰ کے تخت پر متمکن ہیں۔ ہمارے پاس جنّت کی چابی ہے۔ مگر اس میں ہم نہ تو گھسنا چاہتے ہیں۔ اور نہ دوسرے کو جانے کی اجازت دیتے ہیں ؛

ہم انسانوں کا خون پی رہے ہیں۔ اپنے بھائیوں کو نوچ نوچ کر کھا رہے ہیں۔ اور پھر بھی یہ کہتے ہیں کہ ہم عیسائی ہیں۔ حضرتِ عیسےٰ کے پیرو کار ! تعلیم یافتہ انسان ہیں۔ اور صداقت پسند !

تیسرا باب

مزدوروں کے نام

اصداقت حاصل کرو۔ صداقت ہمیں آزاد کردے گی

(جون)

شاید میں زیادہ دیر تک زندہ نہ رہوں۔ لیکن مرنے سے پیشتر میں اپنے مزدور دوستوں کو وہ طریقے بتا دینا چاہتا ہوں۔ جن پر عمل کر کے وہ دن رات پیش آنے والی مصیبتوں سے نجات حاصل کر سکتے ہیں۔ ممکن ہے کہ میری باتیں جن پر میں نے کافی عرصہ تک غور و خوض کیا ہے۔ آپ لوگوں کے لئے مفید ثابت ہوں ؎

میں روسی ہوں۔ چنانچہ میری صلاح روسی مزدوروں کے لئے مفید اور کارآمد ہوسکتی ہے۔ مگر ممکن ہے کہ بعض باتیں دیگر ممالک کے مزدوروں کے بھی کام آسکیں ؎

(۱)

مزدور بھائیو! تمہاری زندگی بھی کوئی زندگی ہے۔ جو تمام کی تمام مصائب اور آفات میں گزر جاتی ہے۔ تم لوگ دن رات کام کرتے ہو۔ مگر ہم تمہارے کام سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔ اور خود تنکا تک نہیں توڑتے۔ کیا یہ واجب ہے؟ ہر شخص جس کی آنکھیں اور دل موجود ہے۔ یہی

کہے گا۔ کہ ایسا نہیں ہونا چاہئے۔ مگر اس کا علاج کیا ہے؟

اس کا بہترین حل جیسا کہ پرانے وقتوں سے رائج ہے۔ یہ ہے۔ کہ امیروں کی دولت جو اُنہوں نے تمہارا خون چُوس چُوس کر اکٹھی کی ہے۔ چھین لی جائے۔ یہ شروع سے ہوتا آیا ہے۔ روما میں غلام لوگ اسی طرح کرتے تھے۔ اور فرانس اور جرمنی کے دیہاتی زمینداروں نے بھی ایسا ہی کیا تھا۔ روس میں بھی سٹینکا راسن اور پوگاچوف کے زمانے میں اسی طرح ہوا۔ اور بعض اوقات اب بھی روسی مزدور اسی پر عمل کرتے ہیں[1]۔

یہ طریقہ عام طور پر مزدور لوگ استعمال کرتے ہیں۔ مگر یہ اُن کے لئے ہمیشہ ہی نقصان دہ ثابت ہوتا ہے۔ ممکن ہے کہ پُرانے زمانے میں جب گورنمنٹ کا ہاتھ اتنا مضبوط نہیں تھا۔ یہ مفید اور فائدہ مند ثابت ہوا ہو۔ مگر موجودہ زمانہ میں جب سرکار کے پاس روپیہ ہے۔ ریل ہے۔ تار گھر ہیں۔ پولیس ہے۔ اور فوج ہے۔ یہ طریقہ کارگر ثابت نہیں ہوسکتا۔ اگر کہیں مزدور لوگ فساد کر بھی بیٹھیں تو اُنہیں ایسی بُری طرح کُچلا جاتا ہے۔ کہ وہ بھی کیا یاد کرینگے۔ کتنے ہی پھانسی پر لٹکا دئیے جاتے ہیں۔ اور ایسے فسادوں میں جیل خانہ تو معمولی بات ہے۔ انہیں بڑی سخت اذیتیں دی جاتی ہیں۔ بلکہ اس قسم کے فسادوں سے امیروں اور سرکار کے ہوا خواہوں کا سر اور بلند ہو جاتا ہے۔

مزدور بھائیو! موجودہ زمانے میں طاقت کا مقابلہ طاقت سے کرنا

---

[1] یہ کتاب اُس وقت لکھی گئی تھی۔ جب روس میں مزدوروں کی حکومت نہ تھی۔ بلکہ زار کا زمانہ تھا۔

فضول ہے۔ تم لوگ پہلے ہی رسیوں سے بندھے ہوئے ہو۔ اگر تم ان رسیوں کو کھینچو گے۔ تو گانٹھیں اور بھی مضبوط ہو جائیں گی اور کھلنے کے ناقابل!

اگر تم طاقت کے ذریعے کچھ حاصل کرنے کی کوشش کرو گے۔ تو طاقت سے ہی تمہیں دبا دیا جائے گا۔ اور تم مصیبتوں کا شکار ہو جاؤ گے ✦

(۲)

پس یہ ثابت ہو گیا۔ کہ مزدوروں کے لئے طاقت کا استعمال کرنا نقصان دہ ہے ✦

اس خیال کو مدنظر رکھ کر مزدوروں کے خیر خواہوں نے اُنہیں آزاد کرانے کے لئے ایک اور طریقہ ایجاد کیا ہے۔ وہ طریقہ کیا ہے؟

مزدوروں اور کسانوں سے زمین چھین لی گئی ہے۔ اب وہ کرائے کے آدمی ہیں۔ کارخانوں اور کھیتوں میں خاص وقت تک کام کرتے ہیں۔ اور تھوڑی بہت اُجرت حاصل کر کے اپنا اور اپنے بال بچوں کا پیٹ پالتے ہیں۔ اُن کا فرض ہے۔ کہ سب سے پہلے اتفاق کی طاقت کو بڑھا دیں۔ پھر اپنی یونین قائم کریں۔ جلسے کریں۔ مظاہرے کریں۔ پارلیمنٹ میں اپنے نمایندے بھیجیں۔ جو اُن کے وکیل بن کر اُن کے حقوق کی حفاظت کریں۔ اور اُن کی کھوئی ہوئی طاقت کو حاصل کرنے میں اُن کو مدد دیں۔ اس طریق پر عمل کرنے سے از سرِ نو پھر اُن کی حالت بہتر ہو جائے گی۔ وہ اپنے کارخانے قائم کر سکیں گے۔ اُن کا اپنا روپیہ ہو گا۔ اور اپنی محنت مزدوری! پھر وہ بالکل آزاد اور خوش و خرّم ہونگے ✦

یہ طریقہ کتنا ہی بُرا۔ غیر مفید اور حماقتوں پر مبنی ہو۔ مگر یہ ماننا پڑیگا۔

کہ اس نے گزشتہ دنوں خوب شہرت حاصل کی۔ اور لوگوں نے جگہ بہ جگہ اُس پر عمل کیا +

اُنہی ملکوں میں اس پر عمل نہیں ہؤا۔ جہاں صدیوں سے لوگوں نے کھیتوں میں کام کرنا چھوڑ دیا ہے۔ بلکہ وہاں پر عمل ہو رہا ہے۔ جہاں لوگوں کے پاس زمینیں ہیں اور وہ صحیح معنوں میں ابھی تک دہقان ہیں۔ ذرا خیال تو کیجئے کہ اس طریق پر عمل کرنے سے فائدہ کیا ہوگا۔ یہی نا کہ ایک دہقان جو کھلی ہوا میں رہتا ہے۔ خوشی سے اپنی زندگی بسر کرتا ہے۔ اپنے لہلہاتے ہوئے سرسبز کھیتوں کو دیکھتا ہے۔ اپنی زمینوں کو چھوڑ کر کام کرنے کے لئے آ پہنچے۔ اور اپنی ضروریات کے لئے کارخانے کے مالکوں کا منہ دیکھا کرے۔ ہمارے خیال میں تو یہ طریق کار ان ملکوں میں قطعی طور پر کامیاب نہیں ہونا چاہیئے تھا۔ جہاں لوگ اب بھی اپنے کھیتوں میں رہتے ہیں۔ اور ہل جوتتے ہیں +

یہ طریقہ زیادہ رائج ہونے کی وجہ یہ نظر آتی ہے کہ یہ فیشن ایبل ہے۔ اور سوشلزم کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ روس ایک زراعتی ملک ہے۔ اُس میں ۹۸ فی صدی لوگ زراعت پر گزارہ کرتے ہیں۔ اور باقی دو فیصدی جنھوں نے کاشت کا کام چھوڑ دیا ہے۔ شوق سے اس طریقہ پر عمل درآمد کرتے ہیں۔ وہ شہری زندگی کے متعلق عجیب وغریب باتیں سُن کر کارخانوں میں کام کرنے کے لئے تیار ہو جاتے ہیں۔ سوشلزم انہیں سبز باغ دکھاتا ہے اور جب اُنہیں بتایا جاتا ہے۔ کہ انسان کو اپنی ضروریات میں اضافہ کرنا چاہیئے۔ تو اس دلیل کو فوراً اُن کا دماغ تسلیم کر لیتا ہے۔ اور وہ کارخانوں میں کام کرنے کے لئے تیار

ہو جاتے ہیں ۔

اس قسم کے مزدور لوگ جنہوں نے اس طریقے پر عمل درآمد شروع کر دیا ہے۔ اپنے دوستوں میں پروپیگنڈا شروع کر دیتے ہیں۔ اور کئی قسم کی نئی باتیں بتا کر بھولے بھالے دیہاتی کسانوں کو پھسلاتے ہیں ۔

سچی بات یہ ہے کہ روس میں سوشلزم کا اتنا زور نہیں ۔ کیونکہ ہزاروں روسی کسان ایسے ہیں ۔ جنہیں اس کی ہوا تک نہیں لگی ۔ اور اگر وہ خدانخواستہ اس کے متعلق کچھ سن بھی پاتے ہیں تو وہ اس پر زیادہ توجہ نہیں دیتے اور سمجھتے ہیں۔ کہ یہ اُن کے کام کی چیز نہیں ۔ یونین قائم کرنے ۔ مظاہرے کرنے اور پارلیمنٹ میں اپنے نمایندے بھیجنے کے طریق دیہاتی کسانوں کے لئے دلچسپی کا باعث نہیں ۔ وہ اپنے حال میں خوش رہتے ہیں ۔

اگر دیہاتی کسانوں کو کسی چیز کی ضرورت ہے۔ تو وہ یہ ہے کہ ان کی مزدوری بڑھادی جائے۔ کام کرنے کے اوقات میں کمی کر دی جائے۔ اور کواپریٹو فنڈز قائم کر دئے جائیں۔ تاکہ وقتاً فوقتاً اُنہیں مالی امداد مل سکے۔ اور سب سے زیادہ ضروری چیز اُن کے لئے زمین ہے۔ اُن کی اپنی زمین اس قدر ہونی چاہئے۔ کہ وہ اپنا اور اپنے بال بچوں کا پیٹ پال سکیں۔ مگر زمین وغیرہ کا سوشلزم میں کوئی ذکر نہیں آتا ۔

سوشلزم والوں کا مقولہ ہے۔ کہ آمدنی کا سب سے بڑا ذریعہ کارخانے اور وہ کانیں ہیں۔ جہاں سے دھاتیں نکلتی ہیں۔ ان کے بعد پھر زمین کا سوال آتا ہے۔ اُن کا خیال ہے۔ کہ پہلے مزدوروں کو دولتمندوں کے ساتھ جنگ و جدل کر کے کارخانوں وغیرہ پر قبضہ کر لینا چاہئے۔ جب یہ مشکل حل

ہوگئی۔ تو پھر زمین حاصل کر لینا کونسی بڑی بات ہے +

کسانوں اور مزدوروں کو زمین کی ضرورت ہے۔ مگر ہمارے سوشلسٹ مہربان فرماتے ہیں۔ کہ بھئی پہلے اسے چھوڑ کر شہروں میں آؤ۔ اور کارخانوں پر اپنا قبضہ جماؤ۔ پھر زمین خود بخود ہاتھ آجائیگی۔ خیال فرمائیے۔ یہ رستہ سیدھا ہے۔ یا اُلٹا! ایک چیز جو ہاتھ میں ہے وہ کھو کر دُوسری لینے کی کوشش کریں۔ دانائی اسی کا نام ہے۔ اور اگر سچ پوچھیں۔ تو یہ طریقے عموماً سود خواروں کے رائج کردہ ہیں۔ اگر آپ کسی ایسے سود خوار سے ایک ہزار روپیہ طلب کریں۔ تو وہ کہے گا۔ جناب! میں اس طرح ایک ہزار روپیہ نہیں دے سکتا۔ البتہ اگر آپ پانچ ہزار لینا چاہیں۔ تو حاضر ہے۔ وہ کس طرح؟ ———— یعنی ایک ہزار نقد اور باقی چار ہزار روپے کا صابن۔ سلک اور دیگر اشیاء جن کی آپ کو قطعی طور پر ضرورت نہیں۔ اس قسم کے ہتھکنڈوں کا یہ مطلب ہوتا ہے۔ کہ اگر آپ ایک مرتبہ جال میں پھنس جائیں۔ تو بس خدا حافظ! نکلنے کی کوئی صورت نہ رہے +

بس یہی حال ہمارے سوشلسٹ صاحبان کا ہے۔ اُنہوں نے غلطی سے یہ سمجھ رکھا ہے۔ کہ مزدوروں کے لئے کارخانے اور معدنیات کی کانوں پر قبضہ کرنا اشد ضروری ہے۔ ان کے کارخانوں میں وہ بندوقیں۔ توپیں۔ مشین گنیں۔ لونڈر۔ خوشبو۔ آئینے۔ ریشمی فیتے اور دیگر عیاشی کی چیزیں تیار کریں۔ اور جب وہ اس میں کامیاب ہو جائیں۔ تو زمین کی طرف متوجہ ہوں۔ لیکن وہ حضرات شاید یہ نہیں جانتے۔ کہ پھر یہ لوگ ہل جوتنے اور دھان کاٹنے کے قابل نہ رہیں گے +

(۳)

ہر ایک سمجھ دار شخص جانتا ہے۔ کہ جس شخص کے پاس اپنی زمین ہے۔ جو اُسے بونا جانتا ہے۔ جو اُس میں کھیتی پیدا کرنے کے قابل ہے۔ وہ ہمیشہ خوشحال اور فارغ البال رہے گا۔ چنانچہ جو عقل مند ہیں۔ وہ زمین حاصل کرنے کے لیئے اس طرح دوڑتے ہیں۔ جیسے مچھلیاں پانی کی طرف! کیونکہ یہی اُن کی زندگی کا سہارا ہے +

لیکن سوشلسٹ کہتے ہیں۔ کہ ہیں۔ یہ بھی کوئی زندگی ہے۔ کہ اپنے آرام کے لئے کھیتوں میں جنگلی جانوروں کے درمیان پڑے رہیں۔ اور دنیا والوں سے کنارہ کش رہیں۔ مزہ تو تب ہے کہ وہ دوسروں کے لئے جئیں۔ شہروں میں آکر بود و باش اختیار کریں۔ بند ہوا میں سانس لیں۔ اور اپنی ضروریات میں دن بدن اضافہ کرتے جائیں۔ جو دن رات کام کرنے کے باوجود بھی پوری نہ ہوسکیں۔ کارخانہ دار سوچتے ہیں۔ کہ ہمارے ہاتھ میں ایک بہت ضروری کام ہے۔ چنانچہ وہ چار پیسے زیادہ حاصل کرنے کے لیئے اپنی صحت کھوکر بھی دن رات کام کرتے رہتے ہیں اور اپنی زندگی کے لمحے کم کر لیتے ہیں۔ کیونکہ اُنہیں معلوم نہیں کہ جو خوشی ایک کسان کو کھلے کھیت۔ تازہ ہوا۔ اور پرندوں کے نغموں کے درمیان بیٹھ کر کام کرنے سے حاصل ہوسکتی ہے۔ وہ کارخانے کے تنگ و تاریک کمروں میں بیٹھ کر دن رات مصروف رہنے سے نہیں ہوسکتی +

سوشلسٹ اس صداقت کو تسلیم کرتے ہوئے کہتے ہیں۔ ہم نے مانا۔ کھیتوں کی دیہاتی زندگی کارخانہ دار کی زندگی سے بہتر اور اچھی ہے۔ مگر موجودہ زمانے میں کارخانوں میں اس کثرت سے مزدور لوگ گھسے

ہوئے ہیں۔ کہ ان لوگوں کے لئے وہاں سے نکل کر بھی ہل سنبھالنا نہایت مشکل بلکہ ناممکن ہے۔ اور اگر اب وہ پھر کھیتوں کا رُخ کریں بھی تو وہ وہاں پر کام نہ کر سکیں گے۔ اور ادھر کارخانے آدمیوں کی کمی سے اتنا کام سرانجام نہ دیں گے۔ جتنا کہ وہ کر رہے ہیں۔ کام نہ کرنے سے چیزوں کی ایجاد میں کمی واقع ہوجائے گی۔ جن میں ملک کی دولت پوشیدہ ہے۔ اور اگر یہ نہ بھی ہو۔ تو تمام کارخانے والوں کے گزارے کے لئے زمین اور ان کے اخراجات مہیّا کرنا بھی تو خالہ جی کا گھر نہیں ؛

یہ ہم بھی مانتے ہیں کہ اگر کارخانہ دار واپس کھیتوں میں کام کرنے کے لئے چلے جائیں تو ملک کی مالی حالت پر کچھ اثر پڑے گا۔ مگر اس کا فائدہ یہ ہوگا۔ کہ غیر ضروری اور نقصان دہ چیزیں جو دن رات ان کارخانوں میں تیار ہو رہی ہیں نہیں بنیں گی۔ اور ان کی بجائے غلّہ۔ سبزیاں اور پھل زیادہ پیدا ہوں گے۔ دودھ دینے والے جانوروں کی کثرت ہوگی۔ جن کی بدولت دودھ دہی کی نہریں بہنے لگیں گی۔ لوگ مضبوط اور طاقتور ہوں گے۔ اور ملک کی مالی حالت پہلے سے بھی بہتر ہو جائے گی۔ اب رہی یہ دلیل کہ اتنے آدمیوں کے لئے زمین کہاں سے آئے گی ؟ ان کا گزارہ کیسے ہوگا۔ وہ تو لڑ لڑ کر مر جائیں گے۔ یہ بھی غلط معلوم ہوتی ہے۔ روس ہی کیا۔ دیگر ممالک میں بھی اس قدر فالتو زمین خالی پڑی ہے کہ اگر اس تمام زمین میں کاشت کی جائے تو تمام دُنیا کا پیٹ بھر سکتا ہے۔ اور پھر سائنس نے تو آج کل اور بھی کاشت کے نئے نئے طریقے ایجاد کر دئے ہیں۔ جن کی بدولت آدمی زمین سے کافی فائدہ اُٹھا سکتا ہے ؛

جنہیں اِس سوال سے ذرا بھی دلچسپی ہے۔ اُنہیں کراپ ٹکن کی کتابیں روٹی پر فتح۔ کھیت اور کارخانے وغیرہ پڑھنی چاہئیں۔ پھر وہ خود بخود تسلیم کریں گے۔ کہ اگر سائنس کے موجودہ اصولوں کے مطابق زمین کو کاشت کیا جائے۔ تو مقابلتہً بہت زیادہ آدمیوں کا گزارہ اِنہی کھیتوں کے ذریعے ہو سکتا ہے۔ اب تو یہ قِصّہ ہے۔ کہ زمین کے مالک زمیندار ہیں۔ اُنہوں نے ٹھیکہ پر اپنی زمینیں کاشتکاروں کے حوالے کر رکھی ہیں۔ اس لئے وہ خود تو کوشش کرتے نہیں۔ کہ کاشت میں ترقی ہو۔ اُنہیں اپنے حلوے مانڈے سے کام ہے۔ کاشتکار جائے چُولھے بھاڑ میں۔ اور بیچارہ کاشتکار چونکہ ہر وقت بنیوں کا شکار رہتا ہے۔ اس لئے وہ کاشتکاری کے نئے اصولوں کو عمل میں لاتا ہوا ڈرتا ہے۔ کہ کہیں ساری روٹی کے لالچ میں آدھی بھی ہاتھ سے جاتی رہے۔ اگر ایک کاشتکار کی اپنی زمین ہو۔ تو پھر وہ نت نئے تجربات کر کے زمین سے کافی فائدہ اُٹھا سکتا ہے +

ہاں ایک اَور دلیل پیش کی جاتی ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ اتنی زمین کہاں ہے۔ کہ ہر ایک مزدور کا پیٹ بھر جائے۔ امیر زمیندار اپنی زمین مزدوروں اور کاشتکاروں کو بھلا کیوں دینے لگے۔ کوئی اپنی چیز بھی کسی کو اس طرح دے دیتا ہے ؟

یہ دلیل غیر معقول ہے۔ یہ تو وہی بات ہوئی۔ کہ ایک شخص کا مکان خالی پڑا ہے۔ لوگ آندھی اور پانی میں کھڑے ہوئے باہر بھیگ رہے ہیں۔ مگر وہ اُن کو اندر نہیں گھُسنے دیتا۔ اور یہ کہہ کر ٹال دیتا ہے۔ کہ بھائی اتنے آدمیوں کے لئے اس مکان میں جگہ نہیں +

اس خُدا کے بندے سے کوئی کہے۔ کہ بھلے آدمی! تمہارا مکان خالی پڑا ہے۔ لوگ پناہ ڈھونڈھتے ہیں۔ اُنہیں اندر تو آنے دو۔ اوّل تو وہ خود ہی گھُس بیٹھ کر گزارہ کر لیں گے۔ اور اگر سب کے سب نہ بھی سما سکے۔ تو کچھ آدمی تو آندھی۔ پانی اور سردی سے بچ جائیں گے؛

یہی حال زمین کا ہے۔ جس قدر زمین خالی پڑی ہے۔ وہ تو اُنہیں سونپ دو۔ پھر دیکھیں گے۔ کہ کتنی کسر ہے۔ اور کس کس کو ابھی ضرورت ہے؛

ہمارے خیال میں یہ بیان بالکل غلط ہے۔ کہ کارخانوں میں کام کرنے والوں کے لئے زمین ناکافی ہے۔ جب وہ لوگ اُن کارخانوں میں گھُسے بیٹھے ہیں۔ جہاں دوسروں کی پیدا کردہ گیہوں کا آٹا پستا ہے۔ تو کوئی وجہ نظر نہیں آتی کہ وہ خود گیہوں بونے کے لئے جگہ حاصل نہ کر سکیں گے۔ ہندوستان۔ ارجنٹائن۔ آسٹریلیا۔ اور سائبیریا میں زمین ہی زمین پڑی ہے۔ لیکن اُسے کاشت کرنے والا کوئی نہیں ملتا۔ اس لئے یہ بیان کرنا۔ کہ مزدوروں کے لئے اتنی زمین نہیں۔ سرتاپا غلط ہے۔ بلکہ ہمارا دعوٰے ہے۔ کہ اگر کارخانوں میں کام کرنے والے مزدوروں کو زمین دے دی جائے۔ اور وہ کاشت کا کام سنبھال لیں۔ تو آئے دن ہندوستان اور روس وغیرہ میں قحط نمودار نہ ہو۔ بلکہ اس قدر افراط سے غلہ پیدا ہو کہ اُسے سنبھالنا مشکل ہو جائے؛

یہ صحیح ہے کہ بعض جگہ مثلاً انگلینڈ۔ بلجیم اور امریکہ میں جہاں کارخانوں میں لوگ مُدّت سے کام کر رہے ہیں۔ اور وہ اس زندگی کے عادی ہو گئے ہیں۔ انہیں پھر دیہات کی طرف لانا ذرا مشکل معلوم ہوتا ہے لیکن یہ ایسی

مشکل نہیں جو حل نہ ہو سکے۔ اگر مزدور لوگ یہ سمجھ لیں کہ ان کی بہبودی اور بہتری کارخانوں میں مضمر نہیں۔ بلکہ ہرے بھرے کھیتوں میں ہے۔ اور انہیں اس قسم کی تعلیم دی جائے۔ جس سے وہ دیہاتی زندگی کی خوبیوں کو سمجھ سکیں۔ تو وہ خود بخود کارخانوں کو خیرباد کہہ کر سرسبز کھیتوں کا رُخ کریں گے۔ اور بھول کر بھی شہروں کی گندی آب و ہوا میں رہنا پسند نہ کریں گے۔ پھر مزدوروں کو یونین کی۔ مظاہروں کی۔ جلسوں کی اور لیکچروں کی ضرورت نہ رہیگی۔ انہیں یکم مئی کو جھنڈے لے کر بازاروں میں گھومنا نہ پڑے گا۔ وہ خود بخود کارخانوں کی قیود سے آزاد ہو کر آزادی سے تندرست اور طاقتور کسانوں کی زندگی بسر کریں گے۔ زمین ان کی اپنی ہوگی۔ زمیندار انہیں تنگ نہیں کریں گے۔ اور تمام زمین زمینداروں کے قبضے سے نکل کر کسانوں کے ہاتھ میں آجائے گی۔ وہ اُسے جوتیں گے اور اپنے بال بچوں کے علاوہ ہزاروں شہریوں کا پیٹ بھریں گے +

ہمارے خیال میں تو تمام مزدوروں اور کسانوں کو اپنے حکمرانوں سے بس زمین کا ہی مطالبہ کرنا چاہئے۔ اور اگر اُن کا یہ مطالبہ پورا ہو جائے تو انہیں کسی چیز کی ضرورت نہیں رہتی۔ وہ آزاد ہیں۔ اور پوری طرح آزاد ہیں۔ خود اپنی زمین میں محنت کریں گے۔ اور اسی کا پھل کھائیں گے +

(۴)

زمین کسی کی جائداد میں شمار نہ ہونی چاہئے۔ زمیندار لوگ مزارعوں پر اس قدر ظلم روا رکھتے ہیں کہ توبہ ہی بھلی۔ اور جب تک زمین کا معاملہ نہ سلجھے گا۔ اسی طرح ہوتا رہیگا۔ مگر سوال تو یہ ہے کہ یہ عقدہ حل کس طرح ہو ؟

روس اور دیگر ممالک میں غلاموں کی خرید و فروخت کا رواج تھا۔ مگر ہر ایک گورنمنٹ نے اس رواج کو بُرا سمجھا۔ اور زبردستی احکام نافذ کرکے اس بُرائی کا انسداد کر دیا۔ لیکن اب دیکھنا تو یہ ہے۔ کہ آیا گورنمنٹ زمین کی گتھی کو کس طرح سلجھاتی ہے۔ اور احکام نافذ کر سکتی ہے یا نہیں ——— یہ ذرا ٹیڑھا سوال ہے۔ ہر ایک گورنمنٹ کے زیادہ تر ارکان ایسے ہیں۔ جن کی زمین ہے اور وہ اس کی آمدنی پر رئیس بنے بیٹھے ہیں۔ وہ بھلا کب گوارا کرینگے۔ کہ اُن کی زمینیں ضبط ہو جائیں۔ یا چھن جائیں۔ اور وہ کاٹھ کے اُلو بنے بیٹھے رہیں۔ جب بھی یہ سوال درپیش ہوگا۔ وہ سخت مخالفت کرینگے۔ وہی کیا۔ راجہ۔ مہاراجہ۔ بادشاہ۔ وزیر اور ہر ایک یہ سوال سُن کر آگ بگولا ہو جائے گا۔ اور کبھی بھی گوارا نہ کرے گا کہ اس کی آمدنی کا ذریعہ تباہ ہو جائے۔ وہی نہیں بلکہ جن لوگوں کے اُن رئیسوں حکمرانوں اور اراکین کے ساتھ تعلقات ہیں۔ وہ بھی اس سوال پر چیں بجبیں ہو جائیں گے۔ اور کبھی اس سوال کو نہ چھونے دینگے۔

امیر آدمیوں کی زیادہ تر جائداد زمینوں پر مبنی ہے۔ اور وہ سمجھتے ہیں کہ ہماری امیری زمین کی آمدنی کے ساتھ وابستہ ہے۔ اس لئے وہ بھلا غریبوں کی حمائتیں کیوں کرینگے۔

آپ نے سُنا ہوگا۔ کہ ہر ایک پارلیمنٹ لوگوں کی بہتری کے لئے نت نئے طریقے ایجاد کرتی ہے۔ مگر زمین کے سوال کو کوئی نہیں چھیڑتا۔ وقت آگیا ہے کہ اس خاموشی کو جو خود غرضی پر مبنی ہے۔ توڑ دیا جائے۔ اور زمین کے متعلق خاطر خواہ فیصلہ ہونا چاہئے۔ تاکہ

مزدوروں کی مشکلات دور ہو جائیں ۔

اگر باقی ممالک میں مزدوروں کی شنوائی ہو بھی جائے تو روس[1] میں جہاں تمام طاقت ۔ حکومت اور قانون زار کے ہاتھ میں ہے اس کا خاطر خواہ فیصلہ نہیں ہوسکتا ۔ کیونکہ روس میں اکیلا زار ہی حکومت نہیں کرتا ۔ روس کی حکومت اُن سینکڑوں بارسوخ شخصوں کے ہاتھ میں ہے ۔ جو زار کے رشتہ دار ہیں ۔ یا سلطنت کے ارکین ! اس لئے جو کچھ وہ چاہتے ہیں ۔ زار سے کروا لیتے ہیں ۔ کیا ان لوگوں کے پاس بے انتہا زمین ہے ۔ جس کے وہ مالک ہیں ۔ وہ کب گوارا کرینگے ۔ کہ ان کی زمین اُن سے چھین کر مستحق مزدوروں کو بانٹ دی جاوے ۔ اور اُن کا قبضہ وہاں سے اُٹھ جائے ۔ زار کے لئے یہ آسان تھا ۔ کہ وہ غلاموں کو آزادی دیدے ۔ لیکن اس کے لئے یہ مشکل امر ہے کہ وہ ارکین کو زمین چھوڑنے کے لئے مجبور کرے ۔ ایسا کرنے سے اُن کی امیری غریبی میں تبدیل ہو جاتی ہے ۔ چنانچہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ روس یا دیگر ممالک میں کسی گورنمنٹ کو مجبور کرنا کہ مزدوروں کو زمین تقسیم کردے ایک ناممکن امر ہے ۔ اور اگر زمین کو زبردستی چھیننے کی کوشش کی جائے ۔ تو وہ بھی کارگر ثابت نہیں ہوسکتی ۔ مثل مشہور ہے ۔ جس کی لاٹھی اس کی بھینس ۔ دولتمندوں اور زمینداروں کے پاس طاقت ہے ۔ وہ مزدوروں کو کیسا سر اُٹھانے دیں گے ۔ اور اگر سوشلسٹوں کے عقیدہ پر عمل کیا جاوے ۔ تو اس کا مطلب یہ ہے کہ پہلے اپنا سب کچھ کھو بیٹھو ۔ اور پھر بہتری کا انتظار کرو ۔ لیکن خوف ہے کہ کہیں ایسا نہ ہو ۔ دُبدھا میں دونوں

[1] اب روس کا نظام بدل چکا ہے ۔

گئے مایا ملی نہ رام! جو کچھ ہے وہ بھی کھو بیٹھیں اور ہاتھ ملتے رہ جائیں۔

ہر ایک عقلمند شخص یہی کہے گا کہ بھئی سوشلسٹوں کا طریقہ ہمارے خیال میں ٹھیک نہیں۔ یہ تو ہمیں اور بھی غلامی میں پھنساتا ہے۔ اور تم کارخانوں میں رہ کر ہمیشہ کے لئے منیجروں کی قید میں ہو جاؤ گے۔ اور یہ بھی یاد رکھو کہ کوئی گورنمنٹ بھی اپنے غریب کسانوں اور مزدوروں کو زمین نہ دے گی۔ زار کی گورنمنٹ ہو یا کسی دوسرے ملک کی! روسیوں نے زمین حاصل کرنے کے لئے کتنا زور مارا۔ مگر نتیجہ کیا نکلا؟ ——— خاک! کیونکہ زار کیا اور اس کے حوالی کیا۔ سب زمین کے سر پر اور غریبوں کی کمائی کے سر پر ہی تو عیش و آرام کر رہے ہیں۔ جس دن وہ اپنی زمین کسانوں کو دیدینگے اُس دن اُن کا عیش و آرام بھی ختم ہو جائے گا۔ پھر وہ کیا کریں گے۔ اور کون ایسا عقلمند ہو گا۔ جو غریبوں کی خاطر اپنا سب کچھ لُٹا دے گا۔ جن امیروں کو سُکھ کا چسکا پڑا ہوا ہے۔ وہ غریبوں کے لئے اپنا سُکھ قربان نہیں کر سکتے۔ یہ ناممکن امر ہے۔

تو پھر مزدوروں کو رہائی حاصل کرنے کے لئے کیا کرنا چاہئے؟

(۵)

ظاہرا طور پر تو یہ نظر آتا ہے۔ کہ اِن غریب مزدوروں اور کسانوں کی رہائی کی کوئی صورت نہیں۔ اور اس کا نہ کوئی علاج ہی ہے۔ مگر یہ صرف خیال ہی خیال ہے۔

اگر مزدور لوگ اپنی حالت کا غور سے مطالعہ کریں۔ تو انہیں

خود بخود معلوم ہو جائے گا۔ کہ ابھی تمام راستے اُن کے لئے بند نہیں ہوئے۔ کوئی ضرورت نہیں کہ وہ لوٹ مار کریں۔ سوشلزم کی آڑ لیں۔ یا گورنمنٹ کے آگے گڑگڑائیں۔ اُن کے پاس ایک ایسا ذریعہ ہے۔ جس پر عمل کرنے سے وہ فوراً من مانگی مراد پا سکتے ہیں۔ اور اس میں کوئی رُکاوٹ پیدا نہیں کر سکتا +

اگر بہ نظر غور دیکھا جائے۔ تو معلوم ہوگا کہ سب سے بڑی دِقّت جو مزدوروں کے درپیش ہے۔ وہ یہ ہے۔ کہ زمین امیروں اور رئیسوں کے پاس ہے۔ جو بیکار پڑی ہے۔ یا جس کے ذریعے وہ کسانوں پر ظلم کرتے ہیں۔ اور اپنے عیش و آرام کے سامان بہم پہنچاتے ہیں۔ اگر وہی زمین مزدوروں کو مل جائے۔ تو تمام جھگڑا ختم ہو جائے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ زمیندار لوگ اس زمین کو کس طرح سنبھالے ہوئے ہیں۔ جب وہ اپنے ہاتھ سے تنکا تک نہیں توڑتے +

اگر کسان لوگ ان کی زمین پر قبضہ کرنا چاہیں۔ یا اُسے زبردستی جوتنا شروع کر دیں۔ تو فوراً فوج آ جائے گی اور کسانوں کو تتر بتر کر دے گی۔ یا مار کر بھگا دے گی۔ لیکن مزدور بھائیو! ذرا سوچو تو سہی۔ کہ اس فوج کے سپاہی کون ہیں؟ ——— تمہارے ہی بھائی ہیں۔ یا کوئی دوسرے! تم ہی لوگوں نے فوج میں بھرتی ہو کر فوجی افسروں کا حکم ماننا شروع کر دیا ہے۔ اور امیروں کے ہاتھ کا ہتھیار بن گئے ہو۔ تم ہی لوگوں کی وجہ سے وہ اس زمین پر قبضہ کئے ہوئے ہیں۔ جو اُن کی نہ ہونی چاہیئے۔ اس کے علاوہ تم لوگ ہی اُن سے زمین کرایہ پر لے کر اس میں ہل چلاتے ہو۔ جوتتے ہو۔ اناج پیدا کرتے ہو۔ اور

اُن کا پیٹ بھرتے ہو۔ اگر تم لوگ اُن کا کام چھوڑ دو۔ تو اُن کی زمینیں بیکار ہو جائیں۔ بلکہ اُن کے لئے بوجھ ثابت ہوں۔ اور وہ ہنسی خوشی تمہارے سپرد کر دیں +

یہ ممکن ہے کہ جب تم لوگ اُن کا کام چھوڑ دو گے۔ اور وہ آدمیوں کی کمی محسوس کریں۔ تو آدمیوں کی بجائے مشینوں سے کام لینا شروع کر دیں۔ مگر مشینیں بھی تو آدمیوں کے بغیر کام نہیں کر سکتیں۔ اور اُنہیں آج نہیں تو کل۔ کل نہیں تو پرسوں ایک نہ ایک دن وہ زمینیں چھوڑ دینی پڑیں گی +

مزدورو! اگر تم چاہتے ہو۔ تو تمہاری حالت میں تبدیلی پیدا ہو۔ تم انسان بن کر دُنیا میں زندہ رہو۔ تو تمہارے لئے بہتر یہی ہے۔ کہ امیروں اور دولتمندوں کے کام نہ آؤ۔ ایسی فوج میں بھرتی نہ ہو۔ جو مزدوروں کو کھیت سے باہر نکالنے کے کام آئے۔ زمینداروں کی زمینوں میں مزدور بن کر کام نہ کرو۔ اور اُن سے کرایہ پر زمین لے کر اُس میں ہل نہ چلاؤ +

(۶)

لیکن یہ طریقہ اُس صورت میں کار آمد اور مفید ہو سکتا ہے۔ جب دُنیا بھر کے مزدور اتفاق کریں۔ لیکن یہ ہو نہیں سکتا۔ کیونکہ اگر کچھ مزدور امیروں کی زمین میں کام کرنے سے انکار بھی کر دیں۔ تو اور مزدور آ جائیں گے۔ اور اُن کا کام چلتا رہیگا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوگا۔ کہ سٹرائیک کرنے والے خواہ مخواہ مصیبتوں کا شکار ہو جائیں گے اور روٹیوں کے لئے دربدر مارے مارے پھریں گے +

میرا مطلب سٹرائیک سے نہیں۔ اور نہ میں اس کا حامی ہوں۔ میں تو اس لئے مزدوروں کو فوج میں بھرتی ہونے سے روکتا ہوں۔ کہ وہ سپاہی بن کر اپنے ہی بھائیوں پر ظلم کرنے لگینگے۔ اس کے علاوہ امیروں کی زمین کرایہ پر لینا۔ یا اس میں مزدوری کرنا بھی برا ہے۔ کیونکہ یہ ایک اخلاقی گناہ ہے۔ جس سے ہرایک کو بچنا چاہئے۔ میرے خیال کے مطابق یہ ایسا ہی ہے۔ جیسا قتل۔ چوری اور ڈاکہ زنی کا مرتکب ہونا۔ ذرا خیال تو کیجئے۔ کہ اگر مزدور زمینداروں کی زمین لے کر جوتتے رہیں گے۔ تو اُس کا تمام منافع زمینداروں کے گھر جائے گا۔ ان غریبوں کو صبح سے لے کر شام تک اور بعض حالتوں میں دن رات کام کرنا پڑتا ہے۔ لیکن پھر بھی پیٹ بھر کر روٹی میسر نہیں ہوتی۔ جو کمزور ہیں۔ بُوڑھے ہیں۔ وہ وقت سے پہلے ہی کثرت کار کی وجہ سے چل دیتے ہیں۔ اور امیروں کا کچھ نہیں بگڑتا +

اِس قسم کے واقعات روزمرّہ دیکھنے میں آتے ہیں۔ ان سے کوئی انکار نہیں کرسکتا۔ جب یہ سب کچھ ظاہر ہے۔ تو آپ خود ہی انصاف کیجیئے۔ کہ زمینداروں کی زمین میں ہل چلانا۔ یا اُسے بونا اخلاقی گناہ ہے یا نہیں۔ اور اس سے ہر ایک کو بچنا چاہیئے یا نہیں +

دنیا میں لاکھوں انسان ایسے ہیں۔ جو سود خواری۔ چوری۔ غریبوں پر ظلم۔ قتل اور خون کو بُرا سمجھتے ہیں۔ اور اس سے اجتناب کرتے ہیں۔ یہی وطیرہ مزدوروں کو زمین کے معاملے میں اختیار کرنا چاہیئے۔ وہ جانتے ہیں کہ موجودہ اصول غلط ہیں۔ امیر غریبوں پر ظلم کرتے ہیں۔ غریب محنت کرکے اُن کے کھیت سرسبز بنا دیتے

ہیں - اور امیر اُن کا گھر بار تک نیلام کرا دیتے ہیں۔ کیا یہ برائی نہیں - اگر برائی ہے - تو مزدوروں کو چاہیئے کہ اس بُرائی کا انسداد کرنے میں مدد دیں +

(۷)

یہ سٹرائیک نہیں اور نہ میں سٹرائیک کی رائے دیتا ہوں - یہ انصاف ہے - اور ہر ایک کا فرض ہے کہ انصاف کی حمایت کرے اور امیروں کی زمین میں حصّہ نہ لے +

یہ میں بھی مانتا ہوں - کہ یہ عمل فوراً ہی اتفاق پیدا نہیں کرتا - اور ایسا کامیاب نتیجہ پیش نہیں کرتا - جیساکہ سٹرائیک ! مگر یاد رکھو - سٹرائیک نقصان دہ ہے - اور یہ نقصان نہیں پہنچا سکتا - اس عمل کے ذریعے ایسا اتفاق اور یکجہتی پیدا ہوتی ہے - جو سٹرائیک سے ناممکن ہے - سٹرائیک میں جس اتفاق کا ظہور ہوتا ہے - وہ ہنگامی ہے - مدعا پورا ہوا - اور شیرازہ بکھر گیا - لیکن اس عمل کے ذریعے جو اتفاق پیدا ہوگا - وہ دن بدن طاقتور اور مضبوط ہوتا جائے گا - اور لوگوں میں ہل چل مچادے گا - یہ بھی ممکن ہے کہ شروع شروع میں اس اصول کے حامی اور عمل کرنے والے کم ہوں - اور ان کی بجائے امیروں کی زمین دوسرے مزدور جوتنے لگیں - مگر یاد رکھو کہ جوں جوں دوسروں کو اُن کی راسخ الاعتقادی اور دلائل کا علم ہوتا جائے گا - وہ بھی آکر اُن میں شامل ہو جائیں گے - اور اُن کی طاقت بڑھ جائے گی +

ابھی سے ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ مزدوروں اور کسانوں کی یہ بیداری کیا گل کھلائے گی - اور سوسائٹی میں کیا کیا تبدیلیاں رُونما ہونگی -

لیکن یہ ضرور ہے ۔کہ ایک نہ ایک دن تمام دنیا کے مزدوروں کو یہ اصول تسلیم کرنا پڑے گا ۔اور وہ اس کے حامی ہوں گے +

جب زمینداروں کو یہ معلوم ہوگا۔کہ مزدور لوگ ان کی زمین پر کام نہیں کرتے تو وہ ان کے ساتھ اس قسم کی شرائط پر فیصلہ کرینگے جو مزدوروں کے لئے مفید ثابت ہوں ۔ اور یہ بھی ممکن ہوسکتا ہے۔ کہ امیر لوگ تنگ آکر اپنی زمینوں سے دست بردار ہو جائیں ۔اور ممکن ہے ۔کہ فوجی سپاہی ہی مزدوروں کے خلاف ہتھیار اُٹھانے اُٹھانے سے انکار کردیں۔تو شاید گورنمنٹ ہی امیروں کو مدد دینے سے اجتناب کرے ۔اور زمینیں امیر زمینداروں کے قبضے سے نکل جائیں +

اگر مزدور خواب غفلت سے بیدار ہو گئے ۔اور اُنھوں نے ہمارے بتائے ہوئے اصولوں پر عمل کیا۔تو یہ ضروری ہے ۔کہ کچھ نہ کچھ تبدیلی سوسائٹی میں زمین کے متعلق ضرور ہوگی ۔ وہ کیا تبدیلی ہوگی اور کس حد تک ہوگی ۔ یہ ہم ابھی سے نہیں کہہ سکتے ۔لیکن یہ ضرور ہے ۔کہ ایک ایمان دار شخص کا کوئی فعل جو خدا کی مرضی کے عین مطابق ہو۔کبھی رائگاں نہیں جا سکتا۔وہ پھل لائے گا ۔اور ضرور لائے گا +

اگر ایک شخص ایمانداری سے کوئی کام کر گزرے ۔ اور عام رائے کے خلاف ہو۔ تو وہ اکثر یہی کہتا ہے ۔کہ بھئی ! میں اکیلا کیا کرسکتا ہوں ۔ایسے لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ کامیابی اس صورت میں ہوسکتی ہے ۔ جب سب کی ایک رائے ہو۔اور سب ساتھ مل کر کام کریں۔ مگر شاید وہ نہیں جانتے کہ کوئی بڑا کام کرنے کے

لئے مددگاروں کی ضرورت ہوتی ہے۔ بھلے کام کے لئے نہیں۔ بھلے کام کے لئے ایک آدمی ہی کافی ہے۔ کیونکہ خدا ہمیشہ اس کے ساتھ ہے۔ اور جس کے ساتھ خدا ہے اس کے ساتھ سب لوگ موجود سمجھنے چاہئیں۔

یاد رکھو کہ مزدوروں کے لئے جو بھی بہتری کی صورت نمودار ہوگی۔ وہ خدا کی مرضی سے ہوگی۔ جب تک خدا مہربان نہ ہو۔ کچھ نہیں ہوسکتا۔ اور خدا اسی وقت مہربان ہوتا ہے جب کوئی کام اس کی مرضی کے مطابق ہو۔

(۸)

مزدوروں اور کسانوں کو یہ سبق دینا کہ زمین حاصل کرنے کیلئے کارخانوں کا دروازہ کھٹکھٹاؤ۔ اور پھر آہستہ آہستہ اُن پر قبضہ جمالو۔ ہمارے خیال میں قانون قدرت کے خلاف ہے۔ اور اخلاق سے گرا ہوا۔

اسی طرح مزدوروں کو چاہیئے۔ کہ امیروں اور زمینداروں کی زمین کو بونے اور جوتنے سے پرہیز کریں۔ مانا کہ انہیں عارضی طور پر پیٹ بھرنے کے لئے روٹی مل جاتی ہے۔ مگر شاید انہیں یہ خبر نہیں کہ ان کے غریب بھائیوں کی حالت اور بھی بدتر ہو جاتی ہے۔

اب تک جو طریقے مزدوروں کی حالت کو بہتر بنانے کے لئے استعمال کئے گئے ہیں۔ مثلاً تشدد۔ سوشلسٹ لوگوں کے عقیدوں پر عمل۔ اپنے ذاتی فوائد کو مدنظر رکھتے ہوئے امیروں

کی امداد ! ـــ یہ سب بیکار ثابت ہوئے ہیں۔ ان سے نہ کوئی فائدہ پہنچ سکتا تھا۔ اور نہ پہنچا ہی ہے۔ کیونکہ یہ اخلاق کے معیار پہ پورے نہیں اُترتے۔ اس عقیدے کے مُطابق کہ نہیں دُوسروں کے ساتھ وہی سلوک کرنا چاہئے۔ جو تم چاہتے ہو۔ کہ دُوسرے تمہارے ساتھ کریں +

ایک سیدھا سادا طریقہ ہی مزدوروں کو غلامی سے نجات دلا سکتا ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ وہ بھاڑے کے ٹٹو بن کر دوسروں کی زمین میں ہل جوتنا بند کر دیں۔ یہ طریقہ انصاف اور اخلاق کے عین مطابق ہے۔ اور خدا کی مرضی بھی اس میں ہے +

ضرورت کا سوال وہیں پیدا ہوتا ہے۔ جہاں انسانی ہمدردی کی بجائے حیوانیت کا عمل دخل ہو۔ عیسائیوں میں ضرورت کا سوال ہی نہ ہونا چاہئے۔ جب لوگ آپس میں مِلنا اور بانٹ کر کھانا سیکھ لیں گے۔ تو کوئی بھوکا نہ رہے گا۔ بلکہ سب کی ضروریات پورا ہونے کے بعد بھی کافی بچ رہے گا۔ جب حضرت عیسےٰ کے پیرو کار بھُوک محسوس کرنے لگے۔ اور حضرت ممدوح کو معلوم ہُوا کہ اُن میں سے چند ایک کے پاس خوراک کا کافی ذخیرہ ہے۔ تو اُس نے حکم دیا۔ کہ سب لوگ دائرہ بنا کر بیٹھ جائیں۔ جب سب لوگ بیٹھ گئے۔ تو اُس نے اُن لوگوں کو جن کے پاس خُوراک تھی۔ حکم دیا کہ اپنا حصّہ نکال کر باقی خوراک تقسیم کر دیں۔ چنانچہ اُنھوں نے ایسا ہی کیا۔ سب کے پیٹ بھر گئے۔ اور خوراک باقی بچ گئی +

اِسی طرح انسانوں کی سوسائٹی میں کسی کو کسی چیز کی ضرورت

نہ رہنی چاہیئے۔ اور اگر یہ مشکل رفع ہوجاے۔ تو پھر مزدوروں کو
زمینداروں کی زمین پر کام کرنے کی ضرورت بھی نہیں رہتی ٭
اگر موجودہ زمانے میں مزدور لوگ رئیسوں سے زمین کرایہ پر
لے کر جوتتے ہیں۔ دن رات محنت کرتے ہیں اور محنت کا پھل
زمین کے مالک کھاتے ہیں۔ تو اس کا مطلب یہ ہے۔ کہ مزدور
بھی ان اپنی حرکتوں کو بُرا نہیں سمجھتے۔ اگر وہ اسے ایک بُرا
فعل سمجھیں۔ تو بھول کر بھی اُدھر کا رُخ نہ کریں۔ اور ان زمینداروں
کو تھوڑے دنوں ہی میں نانی یاد آجائے۔ اگر مزدور لوگ
ہمارے عقیدے کی اصلیت سمجھ جائیں۔ تو آج ہی بغیر کشت خون
کے زمین کا پیچیدہ سوال حل ہوجائے گا۔ اور امیروں کی طاقت میں
جو وہ غریبوں پر استعمال کرتے ہیں کمی واقع ہو جائے گی ٭

(۹)

مزدور لوگوں کی حالت اُسی صورت میں اچھی ہوسکتی ہے۔ جب
زمین زمینداروں کے ہاتھ سے نکل کر اُن کے قبضے میں آجائے۔
اور یہ تب ہی ہوسکتا ہے۔ جب مزدور لوگ ساہوکار زمینداروں سے
زمین کرایہ یا ٹھیکہ پر لے کر اس میں ہل نہ چلائیں۔ لیکن اس معاملے
کا یہیں پر خاتمہ نہیں ہوجاتا۔ فرض کرو کہ زمینداروں سے زمین تو
لے لی۔ مگر اس سے پیشتر کہ تم زمین کے مالک کہلاؤ۔ اس کا
انتظام کرنا بھی تو تمہیں آنا چاہیئے۔ اگر تم اس زمین کا بخوبی انتظام
نہیں کرسکے۔ تو وہ کوڑی کام کی نہیں۔ بلکہ تمہارے لئے
نقصان دِہ ثابت ہوگی ٭

بہتوں کا یہ خیال ہوگا کہ زمینداروں سے زمین چھڑالو۔ پھر سب ٹھیک ٹھاک ہوجائے گا۔ مگر نہیں۔ پھر غلطی ہے۔ یہ کہنا آسان ہے۔ کہ امیروں سے زمین چھین کر غریبوں کو دے دو۔ مگر اس کے لئے بھی تو پیش بندی کی ضرورت ہے۔ کہ امیروں کو پھر کوئی ایسا موقع نہ ملے۔ کہ وہ مزدوروں سے زمین خریدلیں۔ وہ پھر امیر کے امیر۔ اور غریب بیٹھے ہوئے مُنہ دیکھیں گے انہیں پھر امیروں کا دست نگر ہونا پڑے گا ٭

ممکن ہے بعض آدمیوں کا یہ خیال ہو۔ کہ زمین پر کسی کے باپ دادا کا حق نہ ہونا چاہیئے۔ ہر ایک کو یہ اجازت ہونی چاہیئے کہ جہاں چاہے اناج بودے۔ اور ہل چلادے۔ مگر یہ اسی حالت میں ہو سکتا ہے۔ جب آبادی کم ہو۔ اور زمین زیادہ! پھر ایک ہی قسم کی زمین ہو۔ بڑھیا اور گھٹیا کا سوال درپیش نہ ہو۔ لیکن جہاں آبادی زیادہ ہو۔ اور زمین کم۔ اور پھر زمین بھی مختلف قسم کی ہو۔ وہاں یہ ضروری ہے۔ کہ کوئی اور طریقہ رائج کیا جائے تاکہ سر پھٹول نہ ہو ٭

اچھا فرض کرو کہ زمین آبادی کے مطابق جس قدر آدمی ہوں۔ اُن میں مساوی تقسیم کردی جائے۔ مگر اس صورت میں انہیں بھی زمین مِل جائے گی۔ جو ہل چلانا نہیں جانتے۔ وہ لوگ اپنی زمین کو امیروں کے پاس روپے کے لالچ میں بیچ دیں گے۔ اور جب امیروں کے ہاتھ زمین آگئی۔ تو پھر وہی دقت درپیش ہوگی۔ جسے دُور کرنے کے لئے یہ تجویزیں سوچی جا رہی ہیں ٭

اور اگر مزدوروں سے یہ کہہ دیا جائے۔ کہ تم اپنی زمین فروخت نہیں کر سکتے ہو ——— پھر نئی مشکل یہ رونما ہوگی کہ جو لوگ کام کرنا نہیں چاہتے۔ یا جو کام کر ہی نہیں سکتے۔ اُن کی زمین بیکار پڑی رہے گی۔ اس کے علاوہ زمین کو تقسیم کرنے میں بڑی دِقّت ہوگی۔ بعض زمین نہایت زرخیز ہے۔ اور شہر کے نزدیک جس سے ہزاروں روپیہ سال کا منافع ہوتا ہے۔ اور بعض زمینیں بالکل بنجر اور ویران پڑی ہیں۔ اور ایسی جگہ واقع ہیں جہاں جاکر کام کرنا خالہ جی کا گھر نہیں۔ اوّل تو وہاں کچھ منافع ہی نہ ہوگا۔ اور اگر ہوگا بھی تو زرخیز زمینوں کے مقابلے میں بہت تھوڑا! تو پھر زمین کو کس طرح کیا جائے گا۔ تاکہ کوئی جھگڑا بکھیڑا کھڑا نہ ہو۔ اور کسی کی حق تلفی نہ ہو۔ ایک عرصے سے لوگ اِس قسم کے سوالوں کو حل کرنے میں لگے ہوئے ہیں۔ اور نت نئی تجویزیں سوچتے ہیں ؞

مجھے بھی چند ایک اسکیمیں معلوم ہیں۔ اور میں انہیں ذیل میں درج کرتا ہوں :۔

ان میں سے ایک ولیم اوگلوی کی سکیم ہے۔ جو اٹھارھویں صدی میں پیدا ہوا تھا۔ اوگلوی کا مقولہ ہے کہ ہر شخص زمین پر پیدا ہوتا ہے۔ اس لیئے ہر ایک کو حق حاصل ہے کہ وہ زمین کی پیداوار سے اپنا اور اپنے بال بچوں کا پیٹ پالے۔ زمین کسی کی جائداد میں شمار نہ ہونی چاہیئے۔ بلکہ ہر ایک شخص کو حصّہ رسد زمین مفت مِلنی چاہیئے۔ اور اگر کسی کے پاس اِس کے

حصّہ کے علاوہ اور زمین ہے ۔لیکن اس کا کوئی دعویدار نہیں تو اِس زمین کا سرکار کو ٹیکس ادا کرنا چاہئے ۔

تھامس سپنسر چند سال بعد پیدا ہؤا ۔اس نے زمین کے سوال کو اس طرح حل کیا کہ تمام زمین پادریوں کے نام ہونی چاہیئے ۔ اِن کو وہ جس طرح چاہیں اُسے استعمال کریں ۔کسی غیر آدمی کو اس کی ملکیت کا حق نہ ہونا چاہئے ۔

اپنے عقیدہ کو مضبوط کرنے کے لئے سپنسر نے ایک واقعہ لکھا ہے ۔ جو اُسے ہیڈن برگ میں ۱۷۸۸ء میں پیش آیا ۔ وہ لکھتا ہے :-

"میں ایک جنگل میں اخروٹ جمع کر رہا تھا ۔اور درختوں کا مالک جھاڑیوں میں چھپا ہؤا میری طرف گھور رہا تھا ۔ پھر وُہ دفعتہً میرے سامنے آ کھڑا ہؤا ۔ اور مجھ سے پوچھنے لگا ۔" یہ تم کیا کر رہے ہو" ؟

مَیں نے کہا ۔" دیکھتے نہیں ۔ اخروٹ جمع کر رہا ہوں" ۔

وہ بولا ۔" ایک چوری ۔ پھر سینہ زوری ! اتنی جرات" !

میں نے پھر دلیری سے جواب دیا ۔" چوری کیسی ! اگر میری بجائے کوئی بندر یا گلہری ہوتی ۔ اور وہ تمہارا پھل کھا جاتی تو تم کیا کرتے ؟ کیا مَیں اُن سے بھی گیا گزرا ہوں ۔ یا میرا اتنا بھی حق نہیں ۔ جتنا اُن کا ہے ۔ اور ہاں جناب بندہ ! یہ تو فرمائیے آپ مجھے منع کرنے والے ہوتے کون ہیں" ؟

کہنے لگا ۔" مَیں ابھی تمہارا بندوبست کرتا ہوں" ۔

مَیں نے کہا ’’ تُم کیا بندوبست کر سکتے ہو۔ یہ جنگل ہے۔ اخروٹ کے درخت خُودرو ہیں۔ اور ہر ایک کو حق حاصل ہے۔ کہ انہیں کھائے۔ یا ساتھ لے جائے ‘‘
وہ بولا ’’ صاحب یہ جنگل نہیں۔ یہ ڈیوک آف پورٹ لینڈ کی جائداد ہے۔ اور کسی کو حق حاصل نہیں کہ کوئی چیز یہاں سے اُٹھائے ‘‘!
مَیں ہنس پڑا۔ اور کہنے لگا ’’ وہ! ڈیوک آف پورٹ لینڈ! لیکن قدرت مجھ میں اور ڈیوک آف پورٹ لینڈ میں کوئی فرق نہیں سمجھتی۔ خُدا کی درگاہ میں مَیں اور وہ دونوں برابر ہیں۔ اور یہ جنگل خدا کا پیدا کردہ ہے۔ اس لئے یہاں پر جو پہلے آئے گا وُہی اخروٹوں کا حق دار ہوگا۔ اگر ڈیوک آف پورٹ لینڈ کو اخروٹوں کی ضرورت تھی۔ تو اُس کا فرض تھا۔ کہ وہ مجھ سے پہلے آتا ‘‘
سپنسر نے معاملے کو ختم کرتے ہوئے کہا۔ اگر مجھے اس ملک کے لئے لڑنے کو کہا جائے۔ جہاں سے مجھے ایک اخروٹ تک کھانے کی اجازت نہیں۔ تو میں بھی یہ کہہ کر ہتھیار چھوڑ دوں گا۔ کہ یہ مُلک ڈیوک آف پورٹ لینڈ کا ہے۔ اُس کا فرض ہے کہ اسے بچائے۔ مجھے کیا مطلب پڑا ہے۔ کہ میں اپنی جان دُوں ‘‘
اِسی طرح تھامس بین نے جو دو نامی کتب ’’ دلائل کا زمانہ ‘‘ اور ’’ حق انسان ‘‘ کے مصنّف ہیں۔ اس دقیق مسئلے کو حل کیا ہے۔ لیکن اُن کے حل میں خصوصیت یہ ہے۔ کہ وہ کہتے

ہیں۔ کہ " فرض کرو۔ کہ اگر ایک شخص کی زمین ہے۔ اس کی اپنی زمین ہے۔ جو زر خرید ہے۔ لیکن اس کے مرنے کے بعد اِس کی اولاد کا حق اس پر نہیں رہنا چاہیئے۔ وہ پبلک کی جائداد ہوجانی چاہیئے۔ اِس طرح ایک دن آئے گا۔ جب تمام زمین پبلک کی زمین ہوگی۔ اور کوئی خاص شخص اُس کا مالک نہ ہوگا ॰

تھامس پین کے بعد ایک اور مصنّف پیٹرک ایڈورڈ ڈو ہوئے ہیں۔ جنہوں نے زمین کے معاملے پر اپنی توجہ دی ہے۔ اُن کی تھیوری یہ تھی کہ زمین کی قدر وقیمت دو چیزوں سے ہوتی ہے۔ ایک تو اُس کی پوزیشن اور دوسرے محنت! محنت سے کمائے ہوئے روپئے کے حق دار زمین کے مالک ضرور ہو سکتے ہیں۔ مگر زمین پبلک کی ہونی چاہیئے۔ زمین کی جائداد سے انہیں کوئی سروکار نہ ہونا چاہیئے۔ اس طرح جاپان کی ایک سوسائٹی کی سکیم ہے۔ وہ یہ کہ ہر شخص کا زمین میں حصّہ ہونا چاہیئے۔ اور وہ اس کا ٹیکس ادا کرے۔ اس لحاظ سے اُسے حق ہوجاتا ہے کہ وہ جس کے پاس زمین زیادہ دیکھے اپنا حِصّہ بٹوالے ॰

یہ اسکیم اچھّی ہے یا بُری مجھے اس سے سروکار نہیں۔ میں تو ہنری جارج کی اسکیم کو سب سے زیادہ بہتر اور قابل قدر سمجھتا ہوں اور وہ ذیل میں درج کرتا ہوں :-

(۱۰)

میری ذاتی رائے ہے۔ کہ ہنری جارج کی اسکیم سے تمام

دُنیا کو فائدہ پہنچ سکتا ہے۔ کیونکہ اس پر نہایت آسانی سے عمل ہو سکتا ہے۔ اُس اسکیم مختصراً اس طرح بیان کیا جا سکتا ہے :-

فرض کرو۔ ایک گاؤں میں دو شخصوں کی زمین ہے۔ اُن میں سے ایک امیر ہے اور باہر رہتا ہے۔ دوسرا اتنا امیر نہیں۔ وہ گھر رہتا ہے۔ اور خود اپنی زمین کاشت کرتا ہے۔ اس کے علاوہ اسی گاؤں میں اور بھی آدمی رہتے ہیں۔ جو مزدور ہیں۔ محنت مزدوری سے اپنا پیٹ پالتے ہیں۔ اور کچھ آدمی ایسے بھی ہیں جو تجارت پیشہ ہیں۔ سرکاری ملازم! فرض کرو کہ وہاں کے تمام باشندے آپس میں یہ فیصلہ کرتے ہیں کہ زمین سب کی مشترکہ جائداد ہے۔ اور اُسے بانٹنا چاہتے ہیں ۔

وہ اب اُنہیں کس طرح تقسیم کرنی چاہیئے ؟

زمین کے مالکوں سے تمام زمین چھین لی جائے۔ اور یہ اجازت مل جائے کہ جو زمین جس کو پسند آئے۔ وہ استعمال کرے۔ اس میں گڑبڑ پیدا ہونے کا اندیشہ ہے۔ کیونکہ اگر زمین کا ایک ٹکڑا اچھا ہے۔ تو اُسے حاصل کرنے کے لئے کتنے ہی آدمی کوشش کریں گے۔ اور آپس میں جھگڑے پیدا ہو جائیں گے۔ اور اگر یہ خیال کر لیا جائے کہ اس گاؤں کے تمام آدمی مل کر کاشت کریں اور جو غلّہ پیدا ہو وہ بعد میں برابر بانٹ لیا جائے۔ تو یہ بھی ٹھیک نہیں معلوم ہوتا۔ کیونکہ کئی لوگوں کے پاس ہل ہیں۔ گھوڑے ہیں۔ گاڑیاں ہیں۔ اور کسی کے پاس کچھ بھی نہیں۔ اس کے علاوہ کئی لوگ ایسے بھی نکل آئیں گے جنہوں نے آج تک زمین پر

کام ہی نہیں کیا۔ پھر وہ کیا مدد کر سکتے ہیں۔ اگر زمین کو برابر برابر تمام آدمیوں میں بانٹ لیا جائے تو یہ بھی مشکل ہے۔ کیونکہ زمین ایک قسم کی نہیں ہوتی۔ بعض اچھی ہے اور بعض ناقص! اور اگر تمام باشندوں کو اچھی اور بُری زمین دونو برابر برابر مل جائیں۔ تو یہ بھی ممکن نہیں۔ کیونکہ زمین کے ہزاروں اور لاکھوں چھوٹے چھوٹے ٹکڑے ہو جائیں گے۔ جو کسی کے کام نہیں آسکتے۔

اس کے علاوہ سب سے بڑی دقت یہ ہوگی۔ کہ بعض اشخاص کو زمین کا بالکل تجربہ نہیں۔ اگر اُنہیں بھی زمین مل جائے تو وہ اپنی زمین امیروں کے پاس بیچ ڈالیں گے۔ اور وہ امیر پھر ویسے کے ویسے بن جائیں گے۔ چنانچہ وہاں کے باشندے یہ فیصلہ کرتے ہیں کہ زمین جن کے پاس ہے وہی کاشت کریں۔ لیکن زمین کے مالکان ایک خاص رقم جو اُن کی زمین کی آمدنی پر مقرر ہوگی ایک پبلک فنڈ میں جمع کریں۔ جب تمام رقم اکٹھی ہو جائے تو گاؤں کے باشندوں میں مساوی تقسیم کردی جائے۔ لیکن یہ بھی جھمیلا ہے۔ پہلے رقم اُن سے وصول کی جائے جن کے پاس زمین ہے پھر اُسے آپس میں برابر تقسیم کیا جائے۔ اس سے تو یہی بہتر ہے۔ کہ جب ہر ایک کو اس قسم کی ضروریات کے لیے جو سب کے ساتھ لگی ہوئی ہیں۔ مثلاً اسکول۔ گرجے۔ آگ بجھانے والے انجن۔ سڑکوں کی مرمت کے لیئے برابر روپیہ ادا کرنا پڑتا ہے۔ تو کیوں نہ وہ تمام جمع شدہ رقم اس قسم کی ضروریات کے لیئے جو سب کے لیئے یکساں ہیں۔ وقف کردی جائے۔

آخر گاؤں والوں میں یہ فیصلہ ہوجاتا ہے۔ اور وہ تمام زمینداروں سے اُن کی زمین کی آمدنی کے مطابق روپیہ طلب کرتے ہیں۔ اُن کے علاوہ اُن چھوٹے چھوٹے کاشتکاروں سے بھی اُن کا حصّہ وصول کر لیا جاتا ہے۔ لیکن اُن چند آدمیوں سے کچھ نہیں لیا جاتا۔ جن کے پاس زمین نہیں تاکہ اُنہیں اُس جمع شدہ روپے کا فائدہ برابر پہنچتا رہے +

اب کرنی خدا کی کیا ہوتی ہے۔ کہ اُن میں سے ایک زمیندار ایسا نکل آتا ہے۔ جس کے پاس زمین تو ہے۔ مگر وہ اُس سے فائدہ نہیں اُٹھاتا۔ اور چونکہ اُسے زمین کا ٹیکس دینا پڑتا ہے۔ اس لئے وہ اپنی زمین چھوڑ دیتا ہے۔ ایک دوسرا زمیندار جو امیر آدمی ہے۔ وہ بھی اپنی زمین کا کچھ حصّہ چھوڑ دیتا ہے۔ اور اپنے لئے اتنی ہی زمین رکھتا ہے۔ جس کا اُسے ٹیکس دینا منظور ہے۔ اور جس سے وہ اپنا پیٹ بھر سکتا ہے +

اب وہ کسان جس کے پاس زمین کم ہے۔ یا جن کے پاس کام کرنے والے آدمی زیادہ ہیں یا وہ لوگ جن کے پاس زمین مُطلقاً نہیں۔ مگر وہ محنت مزدوری سے جی نہیں چُراتے۔ اُن زمینداروں کی چھوڑی ہوئی زمین کو لے لیتے ہیں۔ اور اُس میں کاشت شروع کر دیتے ہیں۔ چنانچہ اس اسکیم کا فائدہ یہ ہوگا۔ کہ ہر شخص جو کاشت کا کام کرنا چاہتا ہے۔ زمین سے فائدہ اُٹھا سکتا ہے۔ اور کوئی شخص بھی کل کو یہ نہیں کہے گا۔ کہ میرے پاس زمین نہیں۔ اس لئے بھوکوں مر رہا ہوں۔ اس طریق پر عمل کرنے سے سب سے بڑا

فائدہ یہ ہوگا۔ کہ جتنے لوکل انسٹی ٹیوشن ہوں گے۔ اُنہیں روپے کی زیادہ امداد مل سکے گی۔ دُنیا بھر کے جھگڑے بکھیڑے بند ہو جائینگے۔ فساد نہیں ہونگے۔ سر نہیں پھوٹینگے۔ کیونکہ زمین میں وہی کاشت کرے گا جو اس سے فائدہ اُٹھا سکتا ہے ؛

میں نے جو کچھ لکھا ہے اُسے مختصراً پھر دوہرانا چاہتا ہوں۔ تاکہ میرا مطلب سب کے ذہن نشین ہو جائے :۔

مزدور لوگو! میں تمہیں رائے دیتا ہوں۔ کہ سب سے پہلے یہ سمجھنے کی کوشش کرو۔ کہ تمہیں کس چیز کی ضرورت ہے۔ اور کیا چیز تمہارے لئے بیکار ثابت ہوگی۔ جس چیز کی تمہیں ضرورت نہیں۔ اُسے حاصل کرنے کے لئے اپنا وقت اور قوت ضائع مت کرو۔ تمہیں صرف ایک چیز کی ضرورت ہے ——— یعنی مفت زمین کی۔ تاکہ تم اپنا گزارہ کر سکو۔ اور بال بچوں کا پیٹ پال سکو ؛

اب سوال یہ ہے کہ تمہارے لئے زمین حاصل کرنے کا بہترین طریقہ کونسا ہے۔ تم فسادوں سے۔ سٹرائیک سے پارلیمنٹ میں اپنے نمایندے بھیج کر یا مظاہروں سے زمین حاصل نہیں کر سکتے۔ زمین حاصل کرنے کا صرف ایک طریقہ ہے۔ اور وہ عدم تعاون ہے۔ زمینداروں کے ساتھ عدم تعاون کرو۔ چار دن میں اِنہیں نانی یاد آجائے گی۔ ان کی زمین میں ہل مت چلاؤ۔ اُسے کاشت نہ کرو۔ اور نہ ہی اُسے ٹھیکہ پر لو ؛

تیسرے میں تمہیں یہ نصیحت کرنا چاہتا ہوں۔ کہ اس سے پیشتر کہ تمہیں مفت زمین مل جائے۔ سوچ سمجھ لو کہ تم اس زمین کو کیا کرو گے۔ اس عقدے کو حل کرنے کے لئے تمہیں یہ خیال دل سے نکال دینا ہوگا کہ دولت مند زمیندار جس زمین سے دست بردار ہو جائیں۔ وہ تمہاری ہو جائے گی۔ نہیں۔ وہ تمہاری نہیں ہوگی۔ بلکہ سب کی مشترکہ زمین ہوگی۔ البتہ اس میں تمہیں کاشت کرنے کا اور اس کی آمدنی کھانے کا حق ہوگا۔ اب سوال یہ ہے کہ زمین کو سورج کی روشنی اور ہوا کی مانند مشترکہ چیز سمجھ کر کیا تم آپس میں مذکورہ بالا کسی قاعدے کے مطابق مساوی تقسیم کر سکو گے۔ یا کسی اور اسکیم کے مطابق ؟

چوتھے میری یہ نصیحت یاد رکھو۔ کہ تم اُن لوگوں کے ساتھ جن کے ہاتھ میں حکومت ہے۔ روپیہ پیسہ ہے۔ یا اقتدار ہے اپنے تعلّقات کو کشیدہ کرنے کی کوشش نہ کرو۔ فساد۔ بغاوت اور سوشلسٹ مظاہرے تمہارے لئے مفید ثابت نہیں ہو سکتے۔ بلکہ یہ کوشش کرو کہ تمہاری زندگی دن بدن بہتر بنتی جائے۔ عام لوگوں کی حالت بُری نظر آتی ہے۔ اس لئے کہ وہ بُری طرح رہتے ہیں۔ رہنے سہنے کا طریق نہیں جانتے۔ اُن کا خیال یہ ہوتا ہے۔ کہ اُن کی ابتری کی وجوہات ان کے اپنے وجود کے ساتھ وابستہ نہیں۔ بلکہ ان کا بیرونی دُنیا کے ساتھ تعلّق ہے۔ اور یہ خیال سراسر غلط ہے۔ لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ ہماری بربادی اور تباہی دوسروں کے ظلم و ستم کا نتیجہ ہے۔ اس لئے وہ اُس ظلم و ستم

کی بنیادوں کو مٹانے کی کوشش کرتے ہیں۔ لیکن نتیجہ یہ ہوتا ہے
کہ ان کی اپنی حالت اور بھی ابتر ہو جاتی ہے۔ اگر وہ اپنی برائیوں
اور کمزوریوں کو اپنے اندر تلاش کریں۔ تو اُن کی زندگی میں بہت جلد
انقلاب آسکتا ہے۔ اور وہ اپنی زندگی کو ہزار درجہ بہتر بنا سکتے ہیں۔
"خُدا کی سلطنت اور اس کی صداقت کو تلاش کرو۔ اور تم
منزل مقصود پر پہنچ جاؤ گے"!
یہ انسانی زندگی کا سب سے بڑا اصول اور عقیدہ ہے۔
اگر تم اپنی زندگی بُری طرح گزارو گے۔ خدا کے احکام کی پابندی نہ
کرو گے۔ تو دن بدن نیچے گرو گے۔ ذلیل اور بدنام ہو جاوگے۔
اور اگر تم خدا کی مرضی کے مطابق چلو گے نیک کام کرو گے۔ تو
تمہاری زندگی ایک شریف انسان کی زندگی ہو گی۔ جس میں دُکھ
رنج اور فکر کا نام و نشان تک نہ ہو گا۔ اور تم دُنیاوی سُکھ کے
علاوہ بہشتی سُکھ بھی حاصل کر سکو گے۔
جس دروازے کے پیچھے ہمارا سُکھ اور آرام پوشیدہ ہے۔
اُسے کھولنا نہایت آسان ہے۔ اس کے علاوہ ہمارے پیچھے
اور لوگ بھی کھڑے ہیں۔ جو جس دروازے کی طرف دھکیل رہے
ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے۔ کہ اگر ہم اس دروازے کو کھولنے
کی کوشش کریں۔ تو وہ نہایت آسانی سے کھُل سکتا ہے۔ اور
اس کے کھُلتے ہی ہمارا مستقبل نہایت شاندار ہو جائے گا۔ مگر ہم
تو غلط راستے پر جا رہے ہیں۔ یہ دوسرے دروازے کو کھولنے کی
کوشش میں مصروف ہیں۔ جس کے کھُلتے ہی ہم پر مصیبتوں کا

پہاڑ ٹوٹ پڑے گا۔ اور پھر اُس کا کھولنا بھی آسان نہیں۔ اگر وہ کُھلے گا تو ہمیں ہی دھکّا لگے گا۔ کیونکہ وہ باہر کی طرف کُھلتا ہے۔

ہمارے کہنے کا مطلب یہ ہے۔ کہ اگر انسان اپنی بہتری کا خواہشمند ہے۔ تو اُسے باہر کی طرف نہیں دیکھنا چاہئے۔ بلکہ اپنے گریبان میں مُنہ ڈال کر دیکھے۔ کہ اس میں کیا عیب ہیں۔ اور وہ انہیں کس طرح دور کر سکتا ہے۔ اس کا فرض ہے کہ بُرے کاموں سے اجتناب کرے۔ اور اگر اب تک بُرے کام کرتا رہا ہے۔ تو اُنہیں چھوڑ کر اپنی اور دوسروں کی بھلائی کی طرف متوجہ ہو۔ اُن دروازوں کا کھولنا جن کے پیچھے سُکھ کی دُنیا بستی ہے نہایت آسان اور خدا کی مرضی کے مُطابق ہے۔

اگر تم ایک مرتبہ یہ سمجھ جاؤ۔ کہ تمہیں خُدا کی مرضی کے مطابق اس کے احکام پر عمل کرتے ہوئے ایک محبت بھری زندگی بسر کرنی چاہئے۔ دوسروں سے بھائیوں جیسا سلوک کرنا چاہئے۔ اور جہاں تک ممکن ہو دوسروں سے بھلائی کرنی چاہئے۔ تو تم دیکھو گے کہ تمہاری زندگی کتنی شیریں۔ کتنی دلکش اور کس قدر آنند مئی بن جاتی ہے۔ اور تمہاری غلامی اس طرح غایب ہو جائے گی جیسے گدھے کے سر سے سینگ!

کیونکہ تمہیں صداقت کا راز معلوم ہو جائے گا اور صداقت تمہیں آزاد کر دے گی۔

چوتھا باب

واحد ذریعہ

[اگر تم چاہتے ہو۔ کہ دوسرے تم سے اچھا سلوک
کریں۔ تو تم بھی اُن کے ساتھ ویسا ہی سلوک کرو۔
کیونکہ یہ خُدائی قانون ہے اور پیغمبروں کا قول ہے]

(۱)

اس دُنیا میں لاکھوں اور کروڑوں مزدور بستے ہیں۔ اور دُنیا بھر کے لئے خوراک۔ عیش و عشرت کا سامان اور دولت جس سے لوگ امیر بنے بیٹھے ہیں۔ یہ مزدور لوگ پیدا کرتے ہیں۔ لیکن خود ان چیزوں سے فائدہ نہیں اُٹھا سکتے۔ وہ غریب کے غریب ہیں۔ اور روٹیوں کے مُحتاج! ان کے پسینے کی کمائی سے سرکار یا امیر لوگ فائدہ اُٹھاتے ہیں۔ اور مزہ یہ کہ بیچارے مزدور ہمیشہ حاجت مند اور قیدی بن کر رہتے ہیں۔ اور دن رات ان کے ظلم و ستم برداشت کرتے ہیں۔ جنہیں وہ اپنی

محنت کی کمائی سے کھلاتے پلاتے ہیں۔ کپڑے پہناتے ہیں۔ مکان بناتے ہیں۔ اور دن رات جن کی خدمت کرتے ہیں ؏

مزدور سے زمین چھین لی جاتی ہے۔ اور اُن لوگوں کے قبضے میں آجاتی ہے جنہوں نے آج تک ہل کو ہاتھ نہیں لگایا۔ غریب کسان کو اپنا پیٹ پالنے کے لئے زمین پر دن رات محنت کرنی پڑتی ہے۔ اور ہر بات میں اپنے مالک کا حکم ماننا پڑتا ہے۔ اور اگر وہ بیچارہ زمین کو خیرباد کہہ کر نوکری کر لیتا ہے۔ یا کسی کارخانے میں جاتا ہے۔ تو بھی وہ امیروں اور سرمایہ دار کی قید میں جا پھنستا ہے۔ اُسے دس۔ بارہ۔ چودہ گھنٹے اور بعض حالتوں میں شاید اس سے بھی زیادہ کام کرنا پڑتا ہے۔ اور وہ کام عموماً اس کی صحت اور عمر طبعی کے لئے مفید ثابت ہوتا ہے۔ اور اگر خدانخواستہ وہ اپنی محنت شاقہ سے کچھ زمین خرید لے۔ یا دوسرا کام حاصل کر لے۔ جس میں اُسے کسی کا محتاج نہ رہنا پڑے تو پھر اس پر ٹیکس کا کلہاڑا چلایا جاتا ہے۔ بلکہ بعض اوقات اُسے فوج میں تین چار سال کے لئے جبریہ بھرتی کر لیا جاتا ہے۔ یا فوجی فنڈ میں اُسے امداد دینی پڑتی ہے۔ اگر وہ اپنی عقل سے کام لے کر زمین مفت حاصل کرنے کا پروپیگنڈا کرتا ہے۔ یا سٹرائیک کرواتا ہے۔ یا دوسروں کو اپنی جگہ کام کرنے یا ملازمت کرنے سے روکتا ہے۔ یا مالیہ ادا کرنے سے انکار کرتا ہے۔ تو اُسے کچلنے کے لئے فوج روانہ کی جاتی ہے۔ اور وہ بیچارہ زخمی ہو جاتا ہے۔ یا مار دیا جاتا ہے۔ اور اگر بچ رہے۔ تو اسے زبردستی

تھوڑی تنخواہ پر کام کرنے کے لئے مجبور کیا جاتا ہے +
سچ تو یہ ہے کہ دُنیا بھر کے مزدوروں کی بہت بُری حالت ہے۔ انہیں حیوان سمجھا جاتا ہے۔ اور ان سے دن رات سختی کے ساتھ کام لیا جاتا ہے۔ کام کے عوض میں صرف انہیں اتنی خوراک دی جاتی ہے۔ جسے کھا کر وہ کام کرسکیں۔ لیکن وہ امیر طبقہ جو اُن کی محنت سے فائدہ اُٹھاتا ہے۔ دن رات لہو و لعب میں مستغرق رہتا ہے۔ اور اُن کی محنت کی کمائی بیکار رہ کر عیش و عشرت میں کھوتا ہے +

(۲)

ماسکو میں نکولس دُوم کی تاجپوشی کی رسم ادا ہو رہی تھی۔ اور رعایا کو بیئر۔ برانڈی (شراب) اور میٹھی ڈبل روٹیاں مفت تقسیم ہو رہی تھیں۔ مفت چیز کون چھوڑتا ہے۔ اس خیال سے ہزاروں مرد و زن مفت مال حاصل کرنے کے لئے شاہی لنگر خانے کی طرف دوڑے جا رہے تھے۔ جہاں پر یہ چیزیں تقسیم ہو رہی تھیں۔ وہاں اس قدر بھیڑ ہو گئی کہ لوگوں کو قابو کرنا مشکل ہو گیا۔ اور پھر ایک کے اوپر ایک چڑھتا چلا آ رہا تھا۔ جو کمزور تھے یا بوڑھے تھے۔ وہ لوگوں کے پاؤں تلے کچلے گئے۔ کئی عورتیں اور بچے جاں بحق ہو گئے۔ اور جو مضبوط تھے اُن کا دم گھٹنے لگا۔ وہ بدحواس ہو کر نیچے گر گئے۔ اور دب کر مر گئے۔ اس طرح ہزاروں اشخاص لنگر خانے تک پہنچتے پہنچتے موت کا شکار ہو گئے +
یہ قصہ ختم ہو گیا۔ خیال آرائیاں شروع ہوئیں۔ کہ ان بے گناہ معصوموں کی موت کا ذمہ وار کون ہے؟ بعض کہتے تھے پولیس!

بعض کا خیال تھا۔ کہ نہیں انتظام اچھا نہیں تھا۔ اور بعضوں کی رائے تھی کہ زار خود ذمہ وار ہے۔ اگر مفت شراب تقسیم نہ کرتا۔ تو اتنی جانوں کا نقصان نہ ہوتا۔ غرضکہ جتنے مُنہ اُتنی باتیں! پبلک کی نگاہوں میں ہر ایک قصور وار تھا۔ لیکن انصاف یہ کہتا ہے۔ کہ گنہگار وہ لوگ تھے۔ جو اندھوں کی طرح بئیر کا ایک پیالہ یا دو چار کیک لینے کے لئے دوسروں کو کچلتے ہوئے لنگر خانے کی طرف دوڑے تھے۔ اگر وہ تیزی سے کام نہ لیتے۔ تو لوگ پاؤں تلے کیوں روندے جاتے؟

اب فرمائیے۔ کہ کیا یہی حال مزدوروں کا نہیں۔ وہ اپنے تھوڑے سے فائدے کے لئے خود ہی غلامی کی زنجیروں میں پھنس جاتے ہیں۔ اور پھر خود ہی نہیں۔ اپنے بھائیوں کو بھی اپنے ساتھ لے ڈوبتے ہیں۔

مزدور' امیروں۔ گورنمنٹ۔ کارخانے کے مالکوں اور فوج کی شکایت کرتے ہیں۔ اس لئے کہ زمیندار غریبوں کی زمین چھین لیتے ہیں۔ سرکار ٹیکس وصول کرتی ہے۔ کارخانے کے مالک مزدوروں کو تنگ کرتے ہیں۔ اور فوج سٹرائیک وغیرہ کے وقت لوگوں کو دباتی ہے یا گولیاں چلاتی ہے۔ لیکن اگر بغور دیکھا جائے۔ تو یہ سب کام مزدوروں کے سر پر ہی ہوتے ہیں۔ یہی لوگ امیروں کی۔ سرکار کی اور کارخانہ والوں کی امداد کرتے ہیں۔ اور امداد ہی نہیں۔ خود وہی تمام کام کرتے ہیں۔ جن کے متعلق انہیں شکایت ہے۔ ایک امیر زمیندار کے پاس ہزاروں ایکڑ زمین پڑی ہے۔ وہ کیا کر سکتا

ہے۔ خود تو کاشت کرنے سے رہا۔ یہی مزدور لوگ اُس کے پاس جاتے ہیں۔ منت و خوشامد کرتے ہیں اور اس کے ملازموں کی حیثیت سے رہ کر اس کی زمین کو بوتے ہیں۔ کاشت کرتے ہیں۔ اس میں غلہ پیدا کرتے ہیں۔ اور مالک کو ہزاروں روپیہ نفع کا دیتے ہیں۔ لیکن خود بھوکے کے بھوکے! اب فرمائیے! اس میں کس کا قصور ہے؟

اسی طرح گورنمنٹ کے متعلق کہا جاتا ہے۔ کہ وہ مزدوروں سے ٹیکس وصول کرتی ہے۔ مگر ٹیکس وصول کرنے کون جاتے ہیں؟ یہی مزدور لوگ تنخواہ کے لالچ میں گاؤں کے نمبردار بن جاتے ہیں اور خود اپنے ہی ہاتھ سے اپنے بھائیوں کا گلا گھونٹتے ہیں۔ اور پھر کہتے یہ ہیں کہ گورنمنٹ ظالم ہے۔

مزدوروں کی ایک یہ بھی شکایت ہے کہ کارخانوں کے مالکان ان کی تنخواہیں کم کر رہے ہیں۔ اور انہیں زیادہ گھنٹے کام کرنے پر مجبور کرتے ہیں۔ لیکن یہ بھی مزدوروں کی اپنی بیوقوفی ہے۔ وہ اپنے مالکوں سے شاباش حاصل کرنے کے لئے مقابلے میں آ کر خود ہی اپنی تنخواہیں کم کر دیتے ہیں۔ اور اپنے بھائیوں پر ظلم کرنے کے لئے وہاں کے جمعدار بن جاتے ہیں۔ پھر مزدوروں پر جرمانہ کرتے ہیں۔ اُن کی "تلاشیاں" لیتے ہیں اور انہیں تنگ کرتے ہیں۔

مزدوروں کی ایک شکایت یہ ہے کہ اگر وہ اپنے حقوق حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ کام پر نہیں جاتے۔ ٹیکس ادا نہیں

کرتے - یا زمین پر قبضہ کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ تو اُن کے کچلنے کے لئے فوج بھیج دی جاتی ہے - لیکن اس فوج میں کون لوگ شامل ہیں؟ وہی اُن کے مزدور بھائی! جو روٹیوں کے لالچ سے یا خودغرضی کی وجہ سے فوج میں بھرتی ہو جاتے ہیں۔ اور اپنی ضمیر کے برخلاف اپنے ہی بھائیوں پر اپنے ہتھیار اُٹھاتے ہیں - اور ان تمام کو مار دینے کے لئے تیار رہتے ہیں جنہیں ان کے افسر حکم دیں +

چنانچہ یہ ثابت ہو گیا۔ کہ مزدوروں کی تمام مصیبتیں ان کی اپنی ہی پیدا کردہ ہیں - اگر وہ سرکار کی اور ان ظالم امیروں کی مدد کرنا بند کر دیں تو ان کی تمام مصیبتیں خود بخود رفع ہو جائیں گی۔ تو پھر یہ مزدور لوگ اپنی جڑوں میں خود ہی کیوں کلھاڑا چلانے میں مصروف ہیں +

(۳)

دو ہزار سال گزرے - جب خُدا کا یہ قانون لوگوں کو معلوم ہُوا۔ کہ " تُم بھی لوگوں کے ساتھ ویسا ہی سلوک کرو - جیسا تم چاہتے ہو۔ کہ لوگ تُم سے کریں "۔ یہ دُنیا ہے - یہاں پر جیسا بوؤ گے ویسا کاٹو گے۔ ایک چینی محقّق نے کہا ہے " کسی دوسرے کے ساتھ کوئی ایسی بات مت کرو - جسے تم خود ناپسند کرتے ہو " +

یہ قانون کس قدر آسان - سادہ اور عمدہ ہے۔ جس سے ہر ایک مُستفید ہو سکتا ہے - اگر لوگ اس قانون کو سمجھ جائیں تو سچ مچ یہ دنیا بدل جائے - اگر لوگ اس پر عمل کرنا شروع کر دیں اور اس کا پرچار کریں - بلکہ نوجوانوں کے دل میں یہ بات بٹھا دیں - کہ اس پر

عمل کرنے سے زندگی پُرلطف اور شیریں بن سکتی ہے۔ تو آج ہی دُنیا کی کل مصیبتیں دُور ہو جائیں ۔

یہ قانون نیا نہیں بہت پُرانا ہے۔ اس کی تعلیم گوتم بُدھ۔ حضرت عیسےٰ اور یہودی پیغمبر حضرت خلیل نے دی۔ مگر نہ معلوم لوگوں نے اسے اب تک کیوں نہیں سمجھا۔ اگر لوگ اس پر عمل کرتے۔ تو آج یہ دقتیں نمودار نہ ہوتیں۔ اگر دوسری قوموں کو اس عقیدے کی پروا نہیں۔ تو کم سے کم عیسائی دُنیا کو تو اس پر عمل کرنا چاہیئے تھا۔

کتنے افسوس کی بات ہے کہ دو ہزار سال ہوئے۔ جب یہ قانون لوگوں پر نازل ہوا تھا۔ مگر ابھی تک کسی نے اس کو سوچنے سمجھنے اور عمل کرنے کی کوشش نہیں کی۔ جب لوگ اس کو وقعت ہی نہیں دیتے تو وہ اپنے بچوں کو کیا سکھائیں گے؟ ہمارے خیال میں غالباً وہ یہ سمجھتے ہیں کہ یہ غیر ضروری اور ناممکن امر ہے۔ کتنے تعجّب کی بات ہے۔ کہ دو ہزار سال کا پُرانا قانون ابھی تک لوگوں کی سمجھ میں نہیں آیا۔ اور انہوں نے اس پر عمل کرنے کی کوشش نہیں کی۔ اس کا ضرور کوئی سبب ہونا چاہیئے۔

اس کی وجہ یہ ہے۔ کہ جب تک لوگ اس قانون سے ناواقف تھے۔ وہ یہی جانتے تھے کہ اپنی بہتری اور بھلائی کے لئے کوشش کرنی چاہیئے۔ اگر خود مستفید ہونے کے لئے کسی کا گلا کاٹنا پڑے تو کوئی ہرج نہیں۔ چنانچہ اس خیال کے مطابق وہ لوگ غریبوں پر اپنی طاقت کا پورا استعمال کرتے تھے۔

جو غریب تھے وہ یہ جانتے تھے کہ ہماری زندگی کا دار و مدار امیروں کی عنایت اور شفقت پر ہے۔ چنانچہ وہ ہمیشہ انکے حلقہ بگوش اور حکم کے منتظر رہتے تھے۔ اسی طرح ہر کمزور طاقتور کے زیر اثر تھا۔ اور اُسے اپنا مالک تصور کرتا تھا؎

پس وہ تمام لوگ جو مساوی حقوق کے اس عجیب و غریب قانون سے ناواقف تھے۔ اسی طریق پر گزارہ کرتے تھے۔ اور ہر ایک سوسائٹی میں چند آدمی ایسے ہوتے تھے۔ جن کے ہاتھ میں لوگوں کی باگ ڈور تھی؎

چنانچہ جب اس قانون کا پرچار شروع ہُوا۔ تو ان طاقتور لوگوں نے جو برسرِ اقتدار تھے اس پر عمل کرنے سے انکار کر دیا۔ بلکہ جو لوگ ان کے ماتحت تھے ان کو بتایا تک نہیں۔ کہ دُنیا میں ایسا کبھی کوئی قانون یا عقیدہ نکلا ہے؎

حکومت کرنے والے جانتے تھے۔ کہ ہماری حکومت اسی وقت تک قائم رہ سکتی ہے۔ جب تک کہ ہمارے محکوم آپس میں لڑتے رہیں۔ ان میں دِھینگا مُشتی ہوتی رہے اور ان کی آنکھوں پر غفلت کا پردہ پڑا رہے۔ اس لئے وہ ہر ممکن طریق سے اس خدائی عقیدے کو عجیب طرح سے چھپاتے ہیں۔ وہ یہ نہیں کہتے کہ یہ ناممکن امر ہے۔ یا اس پر عمل نہیں ہو سکتا۔ بلکہ اس کے مقابلے میں اور سینکڑوں قانون پیش کرتے ہیں۔ جنہیں زیادہ وقعت دی جاتی ہے۔ اور جسے اس عقیدے سے زیادہ کامیاب اور زیادہ بلند بتایا جاتا ہے؎

یہ حکومت کے خواہشمند اور پادری لوگ خدا معلوم گرجے میں کھڑے ہو کر کیا کیا خدائی قانون بتاتے ہیں۔ ان سے لوگوں کو سیدھے

راستے پر چلانے کی بجائے بہکانا منظور ہوتا ہے۔ وہ لوگ ایسے سبز باغ دکھاتے ہیں کہ بھولے بھالے مُرید اندھوں کی طرح ان کے پیچھے چل پڑتے ہیں۔ اور خُود سوچنے سمجھنے کی کوشش نہیں کرتے۔ حکمران جو رعایا کو بھیڑوں کی مانند قابو رکھنا چاہتے ہیں۔ پادری لوگوں کی مدد پاکر ایسے قانونی شکنجوں میں لوگوں کو جکڑتے ہیں۔ جو مساوی حقوق والے قانون کے بالکل برعکس ہے۔ اور پھر سزا کا خوف دے کر انہیں خود ساختہ قانون کے مطابق چلنے پر مجبور کرتے ہیں ❖

دوسری طرف امیر اور رئیس جو ساتھ ہی تعلیم یافتہ بھی ہیں۔ یہ کہتے ہیں کہ بھئی خُدا وُدا کُچھ نہیں۔ جو کچھ ہے وہ سائنس ہے۔ اور دُنیا میں سب سائنس کا ظہور ہے۔ اگر تم لوگ اپنی کمزوریوں اور برائیوں کو دُور کرنا چاہتے ہو تو اپنے دماغ کو روشن بناؤ ؟

کیسے ؟ ——— اسکولوں میں جاکر تعلیم حاصل کرو۔ کلبوں میں جاکر شامل ہوجاؤ۔ سینما اور تھیٹر کا لُطف اُٹھاؤ۔ جلسوں میں شریک ہوکر واقفیت حاصل کرو۔ پھر تم زندگی کا حقیقی لُطف اُٹھا سکوگے۔ ورنہ کچھ نہیں۔ مزدور لوگوں کے لئے تو یہ نعمتیں ہیں۔ ان کی تمام تکالیف کا قلع قمع خود بخود ہوجائے گا ❖

مساوی حقوق کے سادہ اور آسان خُدائی قانون کے مقابلے میں وہ اسی قسم کے دلائل اور دیگر عقیدے پیش کرتے ہیں۔ اور اس قسم کے سبز باغ دکھاتے ہیں کہ لوگ گمراہ ہوجاتے ہیں۔ وہ صحیح راستہ چھوڑ کر غلط راستے پر چل پڑتے ہیں۔ اور خُدائی قانون کوئی نہیں پوچھتا ❖

یہی وجہ ہے کہ دن بدن مزدوروں اور غریبوں کی حالت ابتر ہو رہی ہے۔ وہ نسل در نسل حکومت اور امیروں کے ظلم و ستم کا شکار ہو رہے ہیں۔ کچلے جا رہے ہیں۔ وہی نہیں۔ بلکہ ان کے بھائی بند اور خاندان تباہ ہو رہے ہیں۔ یہ سب خود غرضی کی وجہ سے! اگر ظاہرا طور پر انہیں عبادت کرنے کا طریقہ سکھایا جاتا ہے۔ ان کی ایسوسی ایشن بنائی جاتی ہیں۔ وہ جلسوں میں حصہ لیتے ہیں۔ سٹرائیک میں شامل ہوتے ہیں۔ انقلاب پسندوں سے ملتے ہیں۔ مگر یہ سب فضول ہے۔ خدا کا ایک قانون ہے۔ جس کا ہم نے اُوپر ذکر کیا ہے۔ اگر اُسے اچھی طرح سمجھ لیں۔ اور اس پر عمل کرنا سیکھ لیں۔ تو اُن کی تمام مصائب کا خاتمہ ہو جائے گا +

(۴)

جو سائنس دان ہیں۔ یا جو دن رات حکومت کی مشکلات حل کرنے میں لگے رہتے ہیں۔ وہ کہیں گے۔ کہ اس سادہ اور آسان جملے میں کہ "تم دوسروں کے ساتھ ویسا ہی سلوک کرو۔ جیسا تم چاہتے ہو۔ کہ وہ تم سے کریں"۔ خدا کی تمام برکتیں اور قوموں کی آزادی پنہاں ہے۔ اور کیا سچ مچ اس پر عمل کرنے سے سب کا اُدھار ہو جائے گا؟ کیا یہ ممکن ہے؟

اُن لوگوں کا خیال ہے۔ کہ خُدا یا خُدا کے کسی قانون کو سمجھنا آسان نہیں۔ اس کی کوئی بات حکمت سے خالی نہیں۔ ہر بات میں عقیدہ ہے۔ اور اسے حل کرنا نہایت مشکل ہے۔ اس لئے یہ ہو نہیں سکتا۔ کہ اس ایک آسان ترین جملے پر عمل کرنے سے تمام مشکلات دُور

ہو جائیں ۔

یہ ٹھیک ہے کہ یہ قانون نہایت آسان اور سادہ ہے۔ اور یہ بھی ٹھیک ہے کہ اس پر عمل کرنے سے قوموں کو آزادی - غریبوں کو دولت ۔ اور مصیبت زدوں کو راحت ملتی ہے۔ کیونکہ یہ خدائی قانون ہے۔ اس میں کچھ بھید نہیں۔ مگر اس پر عمل کرنا مشکل ہے۔ کیونکہ اس پر عمل اسی صورت میں ہو سکتا ہے۔ جب دل صاف ہو۔ انسان خداترس ہو۔ اور اپنی خود غرضی کو مدنظر نہ رکھے۔ یہ قانون کسی ایک شخص۔ گرجے یا حکومت کا ساختہ نہیں۔ یہ آسمانی عقیدہ ہے۔ اور بالکل سادہ اور صاف !

حکومت کے جھگڑے۔ سائنس کے اصول۔ سزا کا مسئلہ۔ جائداد اور سائنس کے سوال واقعی نہایت پیچدار اور پُر معنی ہوتے ہیں۔ مگر ان باتوں سے عوام کو کیا مطلب ؟ یہ باتیں تو چند آدمیوں سے تعلق رکھتی ہیں۔ جو دن رات اپنا دماغ انہیں عقدوں کو حل کرنے میں مصروف رکھتے ہیں۔ عوام کی زندگی تو تب ہی سُدھر سکتی ہے۔ جب وہ ہمارے بیان کردہ خدائی قانون پر راستبازی اور دل کی صفائی سے عمل کریں۔ اس میں نہ مذہب کا دخل ہے۔ نہ قوم کا۔ نہ تعلیم کا سوال ہے نہ عمر کا ۔

اس کے علاوہ سیاسی یا حکومتی عقیدے سب جگہ درست نہیں تھے۔ ایک جگہ کام دیے جاتے ہیں۔ دوسری جگہ ناکارہ ثابت ہوتے ہیں۔ لیکن یہ خدائی قانون ہر جگہ ہے۔ ہر مقام پر۔ ہر حالت میں صحیح اور درست ثابت ہوتا ہے۔ اور جنہوں نے ایک بار اس کا سہارا لیا ہے۔ وہ کبھی اس سے منحرف نہیں ہو سکتے ۔

سیاست دان اور حکومت کے قانون تو اکثر اوقات غریبوں کو مدد

دینے کی بجائے ۔ انہیں اور بھی مشکلات میں پھنسا دیتے ہیں +
یہ قانون کہ تم بھی دوسروں کے ساتھ ویسا ہی سلوک کرو جیسا تم چاہتے ہو ۔ کہ دوسرے تمہارے ساتھ کریں ۔ اور یہ مسئلہ کہ "آنچہ برخود مپسندی بر دیگراں مپسند" بنی نوع انسان کے لئے بے حد مُفید ثابت ہؤا ہے ۔ اور اس پر عمل کرنے سے سوائے فائدے کے نقصان نہیں ہو سکتا ۔ جس جگہ اور جس ملک کے لوگ اس پر عمل کرینگے ۔ وہ انسان سے فرشتے بن جائیں گے ۔ آپس کی دشمنی ۔ نا اتفاقی ۔ اور بغض و عناد دُور ہو جائے گا ۔ اس کی جگہ محبت لے گی ۔ اور محبّت زندگی کو شیریں اور پُر لُطف بنا دے گی ۔ تمہارا فرض ہے کہ اس تاریکی کے پردے کو جس نے اس روشن اور چمکدار قانون کو جو خدا کی مرضی کے عین مطابق ہے ۔ چُھپا رکھّا ہے ۔ مٹا دو ۔ تا کہ بوڑھے ۔ جوان اور بچے دن کی روشنی میں اس قانون کا جائزہ لے سکیں ۔ اسے سیکھیں ۔ اس پر عمل کریں ۔ اور اپنے علاوہ اپنے رشتہ داروں کو ۔ اپنے گاؤں والوں کو اور دیگر اشخاص کو آئے دن کی مصیبتوں سے نجات دلائیں +

(۵)

بائیبل میں لکھا ہے کہ مساوی سلوک کا قانون خُدا نے بہت عرصہ پہلے انسان کو بتایا تھا ۔ اگرچہ دو ہزار سال سے پہلے اس کا پرچار نہیں ہؤا +

اسی قانون کے ساتھ ساتھ ایک اور قانون بھی نازل ہوا تھا ۔ اور وہ انسان کی بہتری اور بہبودی کے لئے اس سے بھی زیادہ ضروری تصوّر کیا جاتا ہے ۔ وہ قانون کیا ہے ؟

یعنی ”کسی کو مت مارو“ ۔

”کسی کو مت مارو“ کا قانون بھی مساوی سلوک کے قانون کی طرح لوگوں سے جان بوجھ کر چھپایا گیا۔ اور انسان کے بنے ہوئے دیگر قوانین کے درمیان کھو گیا ۔

اگر اس قانون کا پرچار ہو جاتا۔ اور حضرت موسیٰ کی آواز تمام دنیا کے کانوں میں پہنچ جاتی۔ تو لوگ اس پر فریفتہ ہو جاتے۔ عمل کرتے اور فائدہ اٹھاتے۔ اور اس قانون کے مقابلے میں کسی دوسرے قانون کو پسند نہ کرتے ۔

اگر لوگ اسے خدا کا مقدس قانون تصوّر کرتے اور اس پر اسی طرح عمل کرتے جس طرح نماز اور روزے کا خیال رکھتے ہیں۔ تو انسان کی موجودہ زندگی میں حیرت انگیز تبدیلیاں پیدا ہو جاتیں۔ جنگ و جدل اور غلامی کا خاتمہ ہو جاتا۔ امیر غریبوں کی زمین پر قبضہ نہ کر سکتے۔ یا غریبوں کی محنت سے فائدہ نہ اٹھاتے۔ کیونکہ یہ تمام نامناسب کام اسی لئے ہو رہے ہیں۔ کہ لوگ مذکورہ بالا اصول کو نہیں سمجھتے۔ اور نہ اس پر عمل کرتے ہیں ۔

اگر خدا کا یہ قانون پوری طرح روشنی میں آجاتا۔ تو دنیا بھر کے جھگڑے بکھیڑے مٹ جاتے۔ لیکن اس کی طرف لوگوں کی توجہ مبذول نہیں ہوئی۔ اور نہ ہی اسے جوش و خروش سے پھیلانے کی کوشش کی گئی۔ بلکہ گرجے کے مالکوں نے نت نئے قانون بنا کر لوگوں کو ان پر عمل کرنے کے لئے مجبور کیا۔ اور یہ ضروری قانون اُن غیر ضروری قوانین میں گم ہو گیا۔ بلکہ بعض حالتوں میں پادریوں نے اس کے بالکل برعکس کیا۔ اور اسے شہرت دینے سے اجتناب کیا ۔

مساوی سلوک کے قانون کا بھی یہی حشر ہُوا ؛

دُنیا جن مصیبتوں کا شکار ہو رہی ہے۔ وہ خدائی قانون پر عمل کرنے سے دُور ہو گئی ہوتیں۔ مگر خدا بھلا کرے ان پادریوں کا اور مذہبی رہنماؤں کا جنھوں نے من گھڑت قانون بنا کر لوگوں کو تکالیف سے بچانے کے بجائے اُن کا ستیاناس کر دیا۔ اور خُدا کے قوانین پر پردہ ڈال دیا۔ اب اگر لوگ چاہتے ہیں کہ انہیں مُصیبتوں سے چھٹکارا ملے۔ آزادی حاصل کریں۔ غلامی کا خاتمہ ہو۔ اور مجلسی برائیوں کا انسداد ہو۔ تو اُن کا فرض ہے کہ سب قوانین کو چھوڑ کر خواہ وہ حکومت کے ہوں یا مذہبی رہنماؤں کے! خُدا کے قوانین پر عمل کریں۔ اور ان کے مطابق زندگی بسر کریں۔ انہیں تھوڑے دنوں میں یہ معلوم ہو جائے گا کہ ان کی زندگی میں انقلاب آگیا ہے۔ اور دُنیا بدل گئی ہے ؛

مزدوروں کے لئے یہ ضروری ہے۔ کہ وہ اپنے آپ کو پاک صاف بنائیں۔ تاکہ حکومت اور امیر لوگ اُن کو نگلنے کی کوشش نہ کریں۔ کیونکہ غلاظت مٹی میں ملتی ہے۔ اور ناپاک چیزوں کو کھاتی ہے۔ اس لئے اگر مزدور لوگ بے وقت موت سے بچنا چاہتے ہیں۔ تو اُن کا فرض ہے کہ اپنے جسم کو۔ دل کو اور رُوح کو صاف کریں۔ اور خدا پر ایمان لائیں اس میں اُن کی آزادی پوشیدہ ہے ؛

اس وقت دُنیا میں دو قسم کے کام کرنے والے ہیں۔ ایک وہ جو پڑھے لکھے ہیں۔ دوسرے وہ جو ناخواندہ ہیں۔ اور دونوں ہی موجودہ حالات سے متنفر نظر آتے ہیں۔ تعلیم یافتہ مزدور نہ تو خدا کو سمجھتا ہے اور نہ اس کے قوانین کو۔ وہ تو صرف مارکس اور لاشلی کو جانتا ہے۔ اور پارلیمنٹ

ہیں بیبلؔ اور جورسؔ کی جد و جہد کو وقعت کی نگاہ سے دیکھتا ہے۔ وہ خود پبلک پلیٹ فارم پر کھڑے ہوکر پرجوش تقاریر کرتا ہے اور امیروں کے برخلاف زہر اُگلتا ہے جنھوں نے غریبوں کی زمینیں دبائی ہوئی ہیں۔ جو پوری مزدوری نہیں دیتے۔ اور اُن کے ساتھ بُرا سلوک کرتے ہیں ٭

دوسری طرف ناخواندہ مزدور اگرچہ تقاریر نہیں کرسکتا۔ مگر وہ جانتا ضرور ہے۔ کہ میرے ساتھ ظلم ہو رہا ہے۔ اور مجھے ناجائز طور پر دبایا جا رہا ہے۔ اس کے باوجود بھی جن باتوں کو وہ تسلیم نہیں کرتا۔ جن اصولوں نہیں مانتا اُنھیں پر عمل کرنے کی کوشش میں مصروف رہتا ہے۔ اور اس قسم کے کام کر گزرتا ہے۔ جن سے عارضی طور پر اس کی حالت تو بہتر ہو جاتی ہے۔ مگر اس کے سینکڑوں اور ہزاروں بھائی مصیبت میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ اور اگر خدانخواستہ کسی طریقہ سے وہ سرمایہ دار کی صف میں جا شامل ہو۔ تو اُسے اپنی مصیبت بھول جاتی ہے۔ وہ دوسروں پر اُن سرمایہ داروں سے بھی زیادہ ظلم کرتا ہے۔ جن کا نسل در نسل پیشہ اور کام یہی ہے ٭

اب قتل کے مسئلہ کو لیجئے۔ مزدور اور امیر لوگ اپنے ہی بھائیوں کو قتل کیسے کرتے ہیں؟ ———— فوج میں شامل ہوکر! یا اس قسم کے ٹیکس دے کر جن سے فوج کو امداد ملے۔ یہ کام فلاح اور بہبودی کے کام نہیں۔ آزادی حاصل کرانے کے کام نہیں۔ آفتوں سے چھٹکارا پانے کے کام نہیں۔ بلکہ اپنی

؎ مزدوروں کے دو بڑے لیڈر ٭

حالت کو بدتر بنانے کے کام ہیں۔ یہی غریب جو دن رات اپنی مصیبتوں کا رونا روتے ہیں۔ وقت آنے پر اپنی غلامی کی زنجیروں مضبوط کرنے کے لئے خود ہی ٹیکس ادا کرتے ہیں۔ اور فوج میں بھرتی ہوتے ہیں ؛

اب فرمائیے کہ ان حالات میں ملک کب تک آزاد ہوسکتا ہے!

مزدور اور غریب کسان تمام باتوں کے لئے امیر زمینداروں۔ سرمایہ داروں اور زبردستوں کو ذمہ وار ٹھہراتے ہیں۔ لیکن وہ مزدور بھی تو خدا سے مُنہ موڑ کر اور اس کے احکام کے خلاف کام کرنے پر تلے ہوتے ہیں۔ اور اگر بعض کی حالت ذرا اچھی ہو جاتی ہے۔ تو وہ ظلم وستم میں سرمایہ داروں سے بھی آگے بڑھ جاتے ہیں ؛

ایک دیہاتی لڑکا اپنے گاؤں کو چھوڑ کر نوکری کی تلاش میں گھر سے نکلتا ہے۔ وہ اپنے دوست رشتہ دار کے پاس جو کسی امیر کے ہاں سائیس کا کام کرتا ہے۔ آتا ہے۔ اور اُسے اپنے لئے کام تلاش کرنے کے لئے کہتا ہے۔ اس کے ساتھ ہی یہ بھی کہہ دیتا ہے کہ اگر موجودہ نرخ سے تنخواہ کم ہے۔ تو کوئی ہرج نہیں۔ دوسرے دن اتفاق سے وہ نوکروں کے کمرے میں جاتا ہے۔ وہاں اُسے معلوم ہوتا ہے کہ ایک بوڑھا خدمتگار برطرف کر دیا گیا ہے۔ اُسے اس بوڑھے پر ترس آتا ہے۔ اور وہ اس بوڑھے کی جگہ خود کام کرنے سے انکار کر دیتا ہے۔ بلکہ وہ نہیں چاہتا کہ کوئی دوسرا ملازم بھی آکر اس کی جگہ پُر کرے۔ اس کے دل میں یہ حالات دیکھ کر امیروں کی ملازمت سے نفرت پیدا ہو جاتی ہے۔ لیکن ایک اور شخص آتا ہے۔ جو کنبہ دار ہے۔

مگر کھانے کو اس کے پاس کچھ نہیں ۔ وہ آکر فوراً ہی ایک امیر کے ہاں اس کے منیم کی نوکری کر لیتا ہے اور چونکہ اب اس کنبے کو روٹی اور کپڑا میسر ہو جاتا ہے ۔ اس لئے وہ اپنے مالک کو خوش کرنے لئے لئے اُن دیہاتیوں پر جرمانہ کرنا شروع کر دیتا ہے ۔ جن کے گھوڑے اس کے مالک کے کھیتوں میں چرتے ہوئے پائے جاتے ہیں ۔ وہ اُن غریب عورتوں کو جو اس کے مالک کی زمین کے سوکھے درختوں کی شاخیں آگ جلانے کے لئے اکٹھا کرتی ہیں ۔ گرفتار کرنا شروع کر دیتا ہے ۔ اور اُن پر پابندیاں عاید کرتا ہے ۔ وہ نوکروں کی تنخواہیں کم کر دیتا ہے ۔ اور انہیں دن رات سخت کام کرنے پر مجبور کرتا ہے ۔ آخر اُسے معلوم ہو جاتا ہے کہ وہ اپنی ضمیر کے خلاف کام کر رہا ہے ۔ اس کے دل میں یہ خیال اس قدر جڑ پکڑ جاتا ہے کہ ایک دن وہ اپنے کنبے کی خواہش کے برخلاف اس امیر کی نوکری چھوڑ دیتا ہے ۔ اور دوسری نوکری تلاش کر لیتا ہے ۔ جہاں آمدنی کے ذرائع کم ہیں ۔ یا یہی سمجھ لیجئے کہ وہ فوج میں بھرتی ہو جاتا ہے ۔ ایک دن اس کی کمپنی کو حکم ملتا ہے ۔ کہ دیہاتیوں کے برخلاف جنہوں نے فساد برپا کیا ہے ۔ یا جو ٹیکس ادا نہیں کرتے ۔ فوج کشی کریں اور گولی چلائیں ۔ وہ پھر حکم ماننے سے انکار کر دیتا ہے ۔ فوجی قانون کے مطابق اس کا کورٹ مارشل ہوتا ہے ۔ اور اسے سخت سزا دی جاتی ہے ۔ اب سوال یہ ہے ۔ کہ اس نے گولی چلانے سے انکار کیوں کیا ؟ کیونکہ یہ فعل اُسے اپنی ضمیر کے خلاف معلوم ہوا ۔ انسان کا دل فوراً کہہ دیتا ہے ۔ کہ یہ کام قانونِ قدرت کے خلاف ہے ۔

اور اس اصول کے بالکل برعکس ہے۔ کہ "دوسروں کے ساتھ وہ سلوک مت کرو۔ جیسے تم خود ناپسند کرتے ہو"۔ اگر ایک مزدور اپنی خود غرضی کی وجہ سے کسی کام کی قیمت کم کر دیتا ہے۔ اور یہ محسوس نہیں کرتا کہ اس کے فعل سے دوسرے مزدوروں کو کس قدر نقصان پہنچا ہے۔ تو یہ اُس کی گمراہی کی دلیل ہے۔ یا یہ سمجھ لو کہ اس کی ضمیر مُردہ ہو گئی ہے۔ جو اُسے بُرا فعل کرتے وقت نہیں روکتی۔ اسی طرح اگر ایک مزدور ضرورت کے وقت سرمایہ دار کی حمایت کرتا ہے۔ تو سمجھ لو کہ وہ اپنے بھائیوں کو ایسا نقصان پہنچا رہا ہے جس کی تلافی نہیں ہو سکتی۔ یہی حال اُس شخص کا ہے۔ جو فوج میں بھرتی ہوتا ہے۔ ممکن ہے کہ وہ بھرتی ہوتے وقت اس راز کو نہ سمجھ سکے۔ کہ کسی دن اُسے اپنے ہی بھائی بندوں پر گولی چلانی پڑے گی۔ مگر اُسے معلوم ہونا چاہیئے۔ کہ ہم سے چاند ماری کی تعلیم بلا وجہ نہیں دی جاتی۔

اس لئے مزدوروں کا فرض ہے۔ کہ وہ سائنس کے کرشموں کی طرف متوجہ ہونے سے پہلے خدا اور خدا کے بنائے ہوئے قوانین کو سوچے سمجھے۔ اور ان پر عمل کرنے کی کوشش کریں۔ قانون قدرت پر عمل کرنے سے ہی وہ ہر قسم کی بُرائیوں سے بچ سکیں گے۔ اور اپنی حالت کو بہتر بنا لیں گے۔ سب سے پہلے ان کا فرض ہے۔ کہ جس طرح مسلمان سُؤر کا گوشت کھانے یا روزہ و برت میں شراب اور گوشت استعمال کرنا۔ یا سرکاری ملازم اتوار کو اپنے روزانہ کام پر جانا بُرا تصوّر کرتے ہیں۔ اسی طرح مزدور سرمایہ داروں کی ملازمت اختیار کرنا۔ یا اُن کی حمایت کرنا بُرا سمجھیں۔

اگر وہ یہ عہد کریں کہ وہ کوئی ایسا کام یا ملازمت نہیں کریں گے جس سے اُن کے ملک، قوم اور بھائیوں کو نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہو۔ تو اُن کی حالت آج ہی سُدھر سکتی ہے۔ اور تمام مصائب کا خاتمہ ہو سکتا ہے +

اگر ایک مزدور لالچ سے یا خوف سے اپنی ضمیر کے برخلاف قاتلوں کے گروہ میں جا ملتا ہے۔ اگر وہ اپنی بہتری کے لئے اپنے سینکڑوں بھائیوں کا گلا گھونٹنے کے لئے تیار ہو جاتا ہے۔ یا زیادہ تنخواہ کے لالچ سے ظالم سرمایہ داروں کے ہاتھ کی کٹھ پتلی بن جاتا ہے تو اس کے لئے شکایت اور شکوہ کا کوئی موقع نہیں۔ کیونکہ جس پوزیشن میں بھی وہ رہتا ہے۔ وہ اس کی اپنی پیدا کردہ ہے۔ اور وہ کسی کا گلہ نہیں کر سکتا +

خُدا اور خُدا کے قوانین کا بھولا ہوا گمراہ مسافر تمام عمر غلط راستے پر گامزن رہتا ہے۔ اور اپنی ہی بہبودی کے خیال میں مستغرق نظر آتا ہے۔ اگرچہ وہ منزل مقصود پر نہیں پہنچتا۔ مگر اس کے باوجود بھولا بھالا مسافر یہی سمجھتا ہے کہ میرا راستہ صحیح اور درست ہے +

پانچواں باب

موجودہ غلامی

یہ فیصلہ شدہ امر ہے کہ امیر غریبوں کی نسبت زیادہ عرصے تک زندہ رہتے ہیں۔ انگریزوں کے تخمینے کے مطابق اگر ایک امیر پچپن سال تک زندہ رہتا ہے۔ تو غریب اُنتیس سال کی عُمر میں مرجاتا ہے۔

یہ جانتے ہوئے بھی کہ ہم اپنے اوپر اپنے غریب بھائیوں کو قربان کرتے ہیں۔ ہم لہو و لعب میں مستغرق ہیں۔ اگر ہم انسان ہیں۔ تو ہمیں موجودہ حالت میں ایک لمحہ بھی آرام سے نہ بیٹھنا چاہیئے۔ لیکن ہم جو اپنے آپ کو تہذیب یافتہ کہتے ہیں۔ اور دعوے کرتے ہیں کہ ہمیں انسان تو کیا حیوانوں پر بھی ترس آتا ہے۔ اپنے ہی بھائیوں کے خون پر پل رہے ہیں۔ اور انہیں قربان کرکے دنیا بھر کی دولت سمیٹنے کی فکر میں لگے ہوئے ہیں۔ فرض کرو۔ کہ ہم ریلوے کے افسر ہیں۔ ہمیں خبر ملتی ہے کہ بعض مزدوروں کو دن اور رات کام کرنا پڑتا ہے۔ جس کا اثر اُن کی صحت پر بہت بُرا پڑ رہا ہے۔ ہم یہ خبر پاکر فوراً ایک انسپکٹر کو جو ابھی تنخواہ لے رہا ہے تحقیقات کے لئے بھیجنے

ہیں ۔اور بارہ گھنٹے سے زیادہ کام کرنے کی ممانعت کر دیتے ہیں
بلکہ ریلوے کمپنی سے کہہ کر مزدوروں کے لیئے ہوادار اور کشادہ مکان
بنوا دیتے ہیں ۔اور پھر ہم اطمینان کا سانس لیتے ہیں ۔کیونکہ یہ ایک
اچھا کام ہے اور ضمیر کے مطابق!

اب دوسری مثال لیجیئے ۔ ہمیں معلوم ہوتا ہے ۔کہ سلک کے
کارخانے میں عورتیں اور لڑکیاں کام کرتی ہیں ۔جو اُن کے گھر سے
بہت دُور واقع ہے ۔ اور کام کی وجہ سے انہیں گھروالوں سے
بہت دُور رہنا پڑتا ہے ۔ وہ بیچاری پیٹ کی خاطر بعض اوقات
اپنی زندگیاں تباہ کر دیتی ہیں ۔ جو عورتیں کپڑے دھونے کا کام
کرتی ہیں ۔ پریس میں اخبار وغیرہ چھاپنے پر تعینات ہیں ۔ان
پر تپ دِق بہت جلد حملہ آور ہوتا ہے ۔ جب ہم اس قسم کے
واقعات سُنتے ہیں تو ہمیں افسوس ضرور ہوتا ہے ۔مگر ہم اپنے
آپ کو بے بس سمجھ کر خاموش ہو جاتے ہیں ۔لیکن سلک کے رومال
اخبارات ۔ رسالے اور سخت کر والی دُھلی ہوئی قمیضیں پہننے
سے نہیں کتراتے ۔ جن کی بدولت وہ لوگ بیماریوں کا شکار ہوتے
ہیں ۔ ہمیں فرموں میں کام کرنے والے ملازموں اور سکول جانے والے
بچوں کے وقت کی کمی بیشی کا تو خیال رہتا ہے ۔ مگر غریب مزدوروں
کی مصیبتوں میں اضافہ کرنے کے لیئے ہر وقت تیار رہتے ہیں ۔
ہم جوانوں کو منع کرتے ہیں کہ وہ اپنے چھکڑوں میں زیادہ مال لاد کر
مویشیوں کو تکلیف نہ دیں ۔ یہاں تک کہ ذبح خانوں میں ہم نے
قصائیوں پر بھی ایسی پابندیاں عاید کر دی ہیں ۔ کہ جہاں تک ہو سکے

جانور کو ایسے طریقے سے ذبح کیا جائے کہ اسے تکلیف نہ ہو۔ مگر ہم اُن ہزاروں اور لاکھوں انسانوں کی طرف سے آنکھیں بند کئے بیٹھے ہیں۔ جو ہمارے گرد بسنتے ہیں۔ اور ہماری زندگیوں کو بہتر بنانے کے لئے خود گھُل گھُل کر جان دیتے ہیں ۔

(۲)
سائنس کیا کہتی ہے ؟

ہم اندھے ہیں۔ کچھ نہیں دیکھتے۔ اپنے بھائیوں کا خون چوس رہے ہیں۔ لیکن اس کے باوجود اپنے آپ کو اس الزام سے بچاتے ہیں۔ اور نہایت صفائی سے! یعنی ہم کہتے ہیں کہ نہ بھئی! ان کی زندگیاں ہماری وجہ سے تلف نہیں ہو رہی ہیں۔ بلکہ اُن قوانین کی وجہ سے جنہیں تبدیل کرنا ہمارے احاطۂ امکان سے باہر ہے ۔

پُرانے زمانے میں اسے قسمت کے نام سے یاد کیا جاتا تھا۔ لوگ کہتے تھے کہ خدا کی مرضی یہی ہے۔ کہ کسی کو اُس نے دُکھ دیا ہے اور کسی کو سُکھ! اگر سب کو آرام مل جائے اور سب امیر ہو جائیں تو نظام قدرت ہی درہم برہم ہو جائے۔

اِسی عقیدے کو لے کر ہزاروں کتب تصنیف کی گئیں۔ اور مذہبی پلیٹ فارموں پر چڑھ کر اس کا پرچار کیا گیا۔ لوگ کہتے تھے کہ خدا نے ہی دو طرح کے انسان پیدا کئے ہیں۔ ایک آقا اور دوسرے غلام! اس لئے انہیں ایک دوسرے کو دیکھ کر جلنا یا حسد کرنا نہیں چاہئے۔ بلکہ یہاں تک کہا جاتا ہے۔ کہ غلاموں کو سورگ کے سُکھ نصیب ہونگے ۔

زمانہ گذر گیا۔ لوگوں کے خیالات میں تبدیلیاں پیدا ہوگئیں۔ پھر اُنہوں نے یہ کہنا شروع کیا۔ کہ غلام آقا کی مہربانی اور ہمدردی پر جیتے ہیں۔ اس لئے آقا کا فرض ہے۔ کہ انہیں اپنے بچوں کی طرح سمجھے۔ امیری کے متعلق یہ کہا جانے لگا۔ کہ خُدا نے امیروں کو زیادہ دولت اس لئے بخش دی ہے کہ وہ اُسے اچھے کاموں میں صرف کریں۔ اس لئے امیری غریبی کا کوئی سوال نہیں۔ ہر ایک کو اپنے حال میں خوش رہنا چاہیئے۔

کچھ عرصے تک لوگ اس عقیدے کے پابند رہے۔ غریب اور امیر سب کو تسلی ہوگئی۔ مگر کب تک! آخر مزدوروں کو یہ معلوم ہوگیا کہ یہ سب ڈھکوسلہ بازی ہے۔ اور کچھ نہیں۔ اس لئے ہمیں اپنے پاؤں پر کھڑا ہونے کی کوشش کرنی چاہیئے۔ لیکن خودغرض لوگ بھی اس سے بے خبر نہ تھے۔ اس لئے اُنہوں نے نئے دلائل پیش کیں اور وہ بھی سائنس کے ذریعے! تاکہ غریبوں۔ مزدوروں اور جاہلوں پر دھاک بندھی رہے اُنہوں نے کہنا شروع کردیا۔ کہ ہماری سائنس نے اس عقیدے کو حل کرلیا ہے۔ اب کام اور محنت کی دُرست تقسیم ہوسکے گی۔ سائنس کے مطابق کام کی تقسیم اور عیش و عشرت کا دار و مدار ضرورتوں پر۔ سرمایہ پر۔ اُجرت پر۔ قیمت پر اور منافع پر ہے۔ اور یہی تمام باتیں انسان کی قسمت کو بناتی اور بگاڑتی ہیں۔

اگرچہ اس عقیدے نے کہ یہ خدا کی مرضی ہے۔ کہ لوگ حاکم و محکوم ہیں۔ کچھ عرصے تک لوگوں کو خاموش کردیا تھا۔ مگر جب حاکموں کی طرف سے محکوموں پر زیادہ سختی اور ظلم ہونے لگے۔ تو محکوموں کے

دل میں اس عقیدے کے متعلق شک پیدا ہو گیا +

فی زمانہ یہ عقیدہ کام کر رہا ہے۔ کہ سرمایہ دار سرمایہ کو بڑھاتے رہیں۔ اور مزدور اس سرمایہ کو بڑھانے میں مدد دیں۔ جب ملک میں روپیہ بکثرت ہو جائے گا۔ اور آمدنی کے ذرائع بڑھ جائیں گے۔ تو مزدور لوگوں کی اجرتوں میں بھی کافی ترقی ہو گی۔ جس سے وہ امیر ہو جائیں گے۔ اس عقیدے نے سرمایہ داروں کا دل اور بھی مضبوط اور سخت بنا دیا ہے۔ اور وہ دن رات مزدوروں سے کام لینے پر تلے ہوئے ہیں۔ دوسری طرف مزدوروں کے دل میں اس عقیدے کے متعلق بھی شک پیدا ہو گیا ہے۔ وہ سوچتے ہیں کہ اگر چنداں یہی حال رہا تو مزدوروں کی نسل ہی صفحۂ ہستی سے مٹ جائے گی۔ اس لئے وہ دن بدن علم بغاوت بلند کرنے پر آمادہ نظر آتے ہیں +

اگر سرمایہ داروں کے ذرائع پر جن سے وہ دولت پیدا کرتے ہیں قبضہ کر لیا جائے تو غریبوں کی غریبی اور بیچارگی کا علاج نہیں ہو سکتا۔ جب ان کی مصیبتوں کو دور کرنے کا بہترین طریقہ یہ ہے۔ کہ انہیں گاؤں کی خوشگوار زندگی بسر کرنے سے محروم نہ کیا جائے۔ کام کے اوقات کم کرنے۔ ان کی تنخواہیں بڑھانے یا ان کے لئے آمدنی کے دیگر ذرائع پیدا کرنے سے ان کی مالی اور مجلسی حالت بہتر نہیں ہو سکتی +

ریلوے ورکشاپ۔ سلک فیکٹری یا دوسرے کارخانوں میں کام کرنے والے مزدوروں کو کام کے اوقات کم کرنے یا ان کی تنخواہیں بڑھانے سے کچھ آرام میسر نہیں ہوتا۔ ان کی تکالیف کی یہ وجہ بھی نہیں کہ وہ کارخانے ان کے اپنے نہیں ہیں۔ دراصل وجہ یہ ہے۔ کہ انہیں

بند کمروں میں انجنوں کے پاس کوئلے کے بدبودار دھوئیں کے درمیان خراب فضا میں حاکموں کے ماتحت کام کرنا پڑتا ہے۔ گندے اور بدبودار شہر کے مکانوں میں رہنا پڑتا ہے۔ شہر میں رہنے کی وجہ سے لالچ اور خواہشات کے غلام ہو جاتے ہیں۔ اور اپنی ضروریات کو پورا نہیں کر سکتے۔ یہی وجہ ہے کہ وقت سے پہلے پرلوک سدھار جاتے ہیں ؛

اگرچہ اب اُن کے کام کرنے کے اوقات کم کر دیئے گئے ہیں۔ اُن کی اُجرتیں بڑھا دی گئی ہیں۔ مگر اس کے باوجود اُن کی حالت بہتر نہیں ہو سکی۔ آپ مزدوروں کی گھڑیوں اور منٹوں پر نہ جائیے۔ یا یہ خیال نہ کیجئے۔ کہ وہ تمباکو۔ شراب۔ بیئر اور گوشت استعمال کرتے ہیں۔ اس لئے اب ان کی مالی حالت ضرور بہتر ہو گئی ہو گی۔ نہیں۔ یہ بات نہیں انہیں حقیقی راحت اُس وقت تک نصیب نہیں ہو سکتی۔ جب تک کہ ان کی صحت اچھی نہ ہو جائے۔ ان کی عمریں نہ بڑھ جائیں۔ اور انہیں آزادی نہ مل جائے ؛

باوجود تنخواہوں میں اضافہ ہونے کے کارخانوں میں کام کرنے والے مزدوروں کی صحت دیہاتی کسانوں کے مقابلے میں خراب ہو رہی ہے۔ زندگیاں کم ہو رہی ہیں۔ اور اموات کی تعداد دن بدن بڑھ رہی ہے۔ جانتے ہو کہ ان میں زیادہ اموات کیوں ہوتی ہیں۔ اس لئے کہ جن چیزوں کی درازیِ عمر کے لئے ضرورت ہوتی ہے وہ انہیں میسر نہیں ہوتیں۔ مثلاً آزادی کی زندگی بسر کرنا۔ سرسبز اور لہلہاتے ہوئے کھیتوں میں رہ کر کام کرنا۔ تازہ اور صاف ہوا میں سانس لینا۔ اور طاقتور غذا کھانا ؛

یہ ٹھیک ہے کہ پہلے کی بہ نسبت اب کارخانوں میں کام کرنے والے

مزدوروں کی حالت سدھر گئی ہے۔ کیونکہ اب انہیں وہاں پر زیادہ دیر کام نہیں کرنا پڑتا۔ ان کی تنخواہوں میں کسی قدر اضافہ ہوگیا ہے۔ کارخانوں کی عمارتیں تیار کرتے وقت روشنی اور ہوا کا خیال رکھا جاتا ہے۔ اور ممکن ہے یہ بھی ٹھیک ہو کہ بعض حالتوں میں کارخانوں کے مزدوروں کی مالی حالت بھی کھیت میں کام کرنے والوں کی نسبت اچھی نظر آتی ہو۔ لیکن یہ صرف اس لئے ہے کہ گورنمنٹ کارخانے کے مزدوروں کی حالت کو دیہاتی لوگوں کا روپیہ چھین کر بہتر بنانے کی کوشش کر رہی ہے +

اگرچہ کارخانہ داروں کی ظاہرا حالت بعض حالتوں میں اچھی نظر آتی ہے۔ مگر اندرونی طور پر وہ دن بدن تباہ ہو رہے ہیں۔ اور مزہ یہ کہ وہ اپنے حال میں مست ہیں۔ کارخانوں کی چاردیواری سے باہر نکلنا نہیں چاہتے۔ چونکہ نسل در نسل کارخانوں میں ہی کام کرتے رہے ہیں اس لئے انہیں وہیں رہنے کی عادت پڑ گئی ہے +

کارخانے کے مزدوروں کی تباہی اور بربادی ان کی قلیل تنخواہ اور کام کی زیادتی میں مضمر نہیں۔ بلکہ وہ لوگ اس لئے جلدی مر جاتے ہیں۔ کہ کارخانوں میں کام کرنے کی وجہ سے وہ اُن قدرتی نعمتوں اور مسترتوں سے محروم ہو جاتے ہیں۔ جو دیہات میں رہنے والے کسانوں کو حاصل ہیں۔ کسان لوگ اپنے کھیتوں میں اپنی مرضی سے پوری آزادی کے ساتھ کام کرتے ہیں۔ مگر کارخانہ والوں کی آزادی اُن سے چھین لی جاتی ہے۔ وہ حکم کے بندے ہیں۔ اور مالک کی مرضی کے مطابق انہیں کام کرنا پڑتا ہے +

اب آپ خود ہی اندازہ لگا سکتے ہیں۔ کہ اس سوال کا جواب کیا ہوسکتا
؟ کسانوں اور مزدوروں کی حالت کیوں ابتر اور ناگفتہ بہ ہو رہی ہے۔
ا یہ جواب نہیں کہ دولت ۔ روپیہ ۔ پیسہ اور کام سرمایہ داروں نے
؛ قبضہ میں کر رکھا ہے ۔ اور مزدوروں کو ان کا دست نگر ہونا
ہے ۔ اگر ان کی تنخواہیں بڑھا دی جائیں اور کام کرنے کے
ن میں کمی کر دی جائے تو اُن کی حالت بہتر بن سکتی ہے۔
، ہرگز نہیں ؛
اُن کی حالت اُس وقت تک ابتر رہے گی ۔ جب تک کہ وہ
درتی اصولوں کے مطابق آزادی سے اپنی زندگی نہ بسر کریں گے۔
زیادہ عرصے تک زندہ رہنا چاہتے ہیں ۔ مضبوط اور طاقتور بننا
تے ہیں ۔ اپنی مالی حالت سدھارنا چاہتے ہیں ۔ تو انہیں کارخانوں
باد کہنا پڑیگا ۔ ان کی زندگی سر سبز کھیتوں میں رہ کر بہتر بن سکتی
کوئلے کے زہریلے دھوئیں سے بھرے ہوئے کارخانوں
د کر نہیں ؛
اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ مزدور لوگوں نے کھیتوں کو چھوڑ
رخانوں کا رُخ کیوں کیا ؟ کیونکہ یہ مسلّم امر ہے کہ ان کے آبا و اجداد
کے باشندے تھے ۔ وہیں رہتے تھے اور وہیں کھیتی باڑی
پنا اور بال بچوں کا پیٹ پالتے تھے ۔ بلکہ روس میں تو ابھی
یادہ تر لوگ دیہاتوں میں رہتے ہیں ۔ پھر انہوں نے شہروں
کیوں کیا ؟
انگلینڈ ۔ بلجیم اور جرمنی میں آپ کو ایسے مزدور بھی مل جائیں گے

و پشت در پشت کارخانوں میں کام کرتے رہے ہیں۔ یہ نہیں کہ
ہ اپنی خوشی سے کارخانوں میں گھسے تھے۔ مگر چونکہ اُن کے آباؤ
جداد انہیں کارخانوں میں تمام عمر نوکر رہے۔ اس لئے انہیں بھی
ہیں کی نوکری اختیار کرنی پڑی۔ ان کے آباؤ اجداد بھی بیچارے سے
صیبت کے مارے دیہاتوں کو چھوڑ کر شہروں میں آکر رہنے کے
لیئے مجبور ہوئے ہوں گے۔ ورنہ کھلی ہوا کو چھوڑ کر تنگ و تاریک
موں میں کون آتا ہے؛

کارل مارکس لکھتا ہے۔ کہ دیہاتیوں کو گاؤں اور زمین چھوڑنے
ے لئے مجبور کیا گیا تھا۔ جب وہ بیچارے آوارہ پھرنے لگے۔ تو ان
ظلم وستم کے کلہاڑے چلنے لگے۔ ان کی آنکھیں گرم لوہے سے
وڑدی جاتی تھیں۔ چابکوں سے اُن کے بدن کی کھال تک اُدھیڑ
ی جاتی تھی۔ اور انہیں مجبور کیا جاتا تھا کہ وہ امیروں کی غلامی اختیار
ں۔ اب ان غریب مزدوروں کو پھر سرمایہ داروں کی غلامی سے آزاد
انے کا سوال ہے۔ اور یہ اُس وقت تک حل نہیں ہو سکتا۔ جب
، وہ اسباب دُور نہ کئے جائیں۔ جن کی وجہ سے انہوں نے غلامی
زادی پر ترجیح دی۔ اور جن کی بدولت سینکڑوں اور ہزاروں مزدور
خانوں میں گھسنے چلے جا رہے ہیں؛

مزدوروں کے لئے آج کل صرف یہ کوشش ہو رہی ہے۔ کہ
ں سرمایہ داروں کی غلامی میں رکھ کر زیادہ مراعات دی جائیں۔
وہ بدظن نہ ہوں۔ مگر یہ کوئی نہیں سوچتا کہ انہیں کارخانوں سے
کھیتوں میں پھر کس طرح واپس لایا جا سکتا ہے۔ جس سے ان کی

اب آپ خود ہی اندازہ لگا سکتے ہیں۔ کہ اس سوال کا جواب کیا ہو سکتا ہے ؟ کسانوں اور مزدوروں کی حالت کیوں ابتر اور ناگفتہ بہ ہو رہی ہے۔ اس کا یہ جواب نہیں کہ دولت ۔ روپیہ ۔ پیسہ اور کام سرمایہ داروں نے اپنے قبضہ میں کر رکھا ہے ۔ اور مزدوروں کو ان کا دست نگر ہونا پڑتا ہے ۔ اگر ان کی تنخواہیں بڑھا دی جائیں اور کام کرنے کے وقت میں کمی کر دی جائے تو اُن کی حالت بہتر بن سکتی ہے۔ نہیں ہرگز نہیں ٭

اُن کی حالت اُس وقت تک ابتر رہے گی ۔ جب تک کہ وہ پھر قدرتی اصولوں کے مطابق آزادی سے اپنی زندگی نہ بسر کریں گے۔ اگر وہ زیادہ عرصے تک زندہ رہنا چاہتے ہیں ۔ مضبوط اور طاقتور بننا چاہتے ہیں ۔ اپنی مالی حالت سدھارنا چاہتے ہیں ۔ تو انہیں کارخانوں کو خیر باد کہنا پڑیگا ۔ ان کی زندگی سرسبز کھیتوں میں رہ کر بہتر بن سکتی ہے ۔ کوئلے کے زہریلے دھوئیں سے بھرے ہوئے کارخانوں میں رہ کر نہیں ٭

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ مزدور لوگوں نے کھیتوں کو چھوڑ کر کارخانوں کا رُخ کیوں کیا ؟ کیونکہ یہ مُسلم امر ہے کہ ان کے آبا و اجداد گاؤں کے باشندے تھے ۔ وہیں رہتے تھے اور وہیں کھیتی باڑی سے اپنا اور بال بچوں کا پیٹ پالتے تھے ۔ بلکہ روس میں تو ابھی تک زیادہ تر لوگ دیہاتوں میں رہتے ہیں ۔ پھر اُنہوں نے شہروں کا رُخ کیوں کیا ؟

انگلینڈ ۔ بلجیم اور جرمنی میں آپ کو ایسے مزدور بھی مِل جائیں گے

جو پشت در پشت کارخانوں میں کام کرتے رہے ہیں۔ یہ نہیں کہ وہ اپنی خوشی سے کارخانوں میں گھسے تھے۔ مگر چونکہ اُن کے آباؤ اجداد انہیں کارخانوں میں تمام عمر نوکر رہے۔ اس لئے انہیں بھی وہیں کی نوکری اختیار کرنی پڑی۔ ان کے آباؤ اجداد بھی بیچارے مصیبت کے مارے دیہاتوں کو چھوڑ کر شہروں میں آکر رہنے کے لئے مجبور ہوگئے ہوں گے۔ ورنہ کھلی ہوا کو چھوڑ کر تنگ و تاریک گلیوں میں کون آتا ہے ؛

کارل مارکس لکھتا ہے۔ کہ دیہاتیوں کو گاؤں اور زمین چھوڑنے کے لئے مجبور کیا گیا تھا۔ جب وہ بیچارے آوارہ پھرنے لگے۔ تو اُن پر ظلم و ستم کے کلہاڑے چلنے لگے۔ ان کی آنکھیں گرم لوہے سے پھوڑ دی جاتی تھیں۔ چابکوں سے اُن کے بدن کی کھال تک اُدھیڑ دی جاتی تھی۔ اور انہیں مجبور کیا جاتا تھا کہ وہ امیروں کی غلامی اختیار کریں۔ اب ان غریب مزدوروں کو پھر سرمایہ داروں کی غلامی سے آزاد کرانے کا سوال ہے۔ اور یہ اُس وقت تک حل نہیں ہو سکتا۔ جب تک وہ اسباب دُور نہ کئے جائیں۔ جن کی وجہ سے انہوں نے غلامی کو آزادی پر ترجیح دی۔ اور جن کی بدولت سینکڑوں اور ہزاروں مزدور کارخانوں میں گھسنے چلے جا رہے ہیں ؛

مزدوروں کے لئے آج کل صرف یہ کوشش ہو رہی ہے۔ کہ انہیں سرمایہ داروں کی غلامی میں رکھ کر زیادہ مراعات دی جائیں۔ تاکہ وہ بدظن نہ ہوں۔ مگر یہ کوئی نہیں سوچتا کہ انہیں کارخانوں سے باہر کھیتوں میں پھر کس طرح واپس لایا جا سکتا ہے۔ جس سے ان کی

تمام مصیبتیں اور شکایات رفع ہو جائیں ۔

موجودہ سائنس کی یہ زبردست کوشش ہے کہ تمام دیہاتوں کی آبادی شہروں میں داخل ہو کر کارخانوں میں کام کرے ۔ سائنس والوں کو یقین ہے ۔ کہ ایسا ہی ہوگا ۔ اگرچہ حالات بتا رہے ہیں کہ جو لوگ بھی کارخانوں میں گھسے ہیں ۔ اُنہوں نے نقصان اُٹھایا ہے ۔ اُن کے جسم کمزور ہو گئے ہیں ۔ انہیں طرح طرح کی بیماریاں لگ گئی ہیں ۔ اور ان کی عمریں دن بدن کم ہوتی جا رہی ہیں ۔ اس کے باوجود سائنس یہ کہتی ہے ۔ کہ دیہاتیوں کے کارخانوں میں آنے سے کوئی ہرج نہیں ۔ بلکہ وہ خواہش کرتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ ہمیں کسی طرح کارخانوں میں کوئی کام ملے ۔

(۲)

موجودہ سائنس دان اور سوشلسٹ یہ کہتے ہیں کہ مزدوروں کی حالت اُسی صورت میں سُدھر سکتی ہے ۔ جب ان کے اپنے کارخانے ہو جائیں اور وہ بھی چیزیں جو آج کل تیار ہو رہی ہیں اپنے پیسے اور محنت سے برابر بناتے چلے جائیں ۔ پھر دیکھئے وہ امیر بنتے ہیں یا نہیں ۔

اُن کا خیال ہے کہ آیندہ جب کارخانے اُن کے ہاتھ آجائینگے تو وہی نہیں بلکہ مزدور لوگ بھی پُورے معنوں میں زندگی کا لُطف اُٹھا سکیں گے ۔ مگر اس خیال کی تصویر دکھانے میں وہ بھی غلطی کرتے ہیں ۔ اس میں شک نہیں کہ وہ خود بھی کچھ کام کریں گے ۔ مگر زیادہ تر اُن میں سے مینیجر ۔ مصوّر ۔ سائنس دان اور موجد ہوں گے ۔ اس لئے وہ پھر مزدوروں کو زیر کر لیں گے ۔ کیونکہ چھوٹے چھوٹے کام مثلاً قلی کا کام ۔ انجنوں کو

صاف کرنے کا کام ۔ مشینوں میں تیل دینے کا کام اور کوئلہ جھونکنے کا کام مزدوروں کو ہی کرنا پڑیگا۔ اس کا جواب ہمارے سوشلسٹ صاحبان یہ دیتے ہیں ۔ کہ یہ کام تو مزدوروں کو ضرور کرنے پڑیں گے ۔ مگر آیندہ سائنس کی امداد سے یہ اس طریقے سے سرانجام دیے جایا کریں گے ۔ کہ انہیں خوشگوار معلوم ہوں گے ۔ اور وہ نفرت نہیں کریں گے ۔ یہ دلکش تصوّر ہے ۔ جو وہ لوگوں کے سامنے پیش کرتے ہیں ۔ اور اس پر فخر کرتے ہیں ٭

سوشلسٹوں کی تھیوری کے مطابق مزدور لوگوں کے یونین اور ایسوسی ایشن قائم ہو جائیں گے ۔ ان میں اتفاق پیدا ہو جائے گا ۔ وہ اسٹرائیکوں کے زور سے اپنے حقوق حاصل کرلیں گے ٭

وہ پارلیمنٹ میں اپنے نمایندے بھیج کر زور پکڑ جائیں گے ۔ جب کارخانوں پر ان کا اپنا قبضہ ہو جائے گا ۔ تو پھر زمین حاصل کرنا کیا بڑی بات ہے ۔ وہ امیر کبیر آدمی بن جائیں گے ۔ چھٹیاں منائیں گے ۔ عمدہ لباس پہنیں گے ۔ اور مزے اڑائیں گے ۔ اگر اس وقت کوئی ان سے پوچھے گا کہ بھئی شہروں کی زندگی اچھی ہے یا دیہات کی! تو وہ فوراً یہی جواب دیں گے ۔ کہ ہم نے گاؤں میں جاکر کیا لینا ہے ۔ جہاں روزی ہے وہیں سب کچھ ہے ۔ اگر کارخانوں میں رہ کر عیش و آرام میسّر آتے ہیں ۔ تو کھیتوں میں جاکر دوپہر کے وقت کون مرے ؟

ہم اس عقیدے کو درست نہیں سمجھتے اور نہ ہی ایسا ہو سکتا ہے ۔ ہم تو کہیں گے کہ سوشلسٹ اپنا اُلّو سیدھا کرنے کے لیئے مزدوروں کو سبز باغ دکھا رہے ہیں ۔ اور مزہ یہ کہ مزدور لوگ اس پر اعتبار کرتے ہیں ٭

مزدور تو ایک طرف رہے۔ پڑھے لکھے آدمی بھی اس مجبوری کو درست سمجھتے ہیں۔ اور اگر درست نہ سمجھیں تو پھر گزارہ کیسے ہو؟ کیونکہ یا تو وہ یہ خیال کریں کہ عیش وعشرت کی جس قدر چیزیں ہمیں میسّر ہیں۔ ان کے تیار کرنے میں ہزاروں مزدوروں کی زندگیاں تلخ ہو جاتی ہیں۔ یا یہ ماننا پڑے گا کہ تمام چیزیں دُنیا کے فائدے کے لئے تیار کی جاتی ہیں۔ اور مزدور انہیں تیار کرتے ہیں۔ وہ اپنی محنت کے صلے میں جنت کے حق دار ہوں گے۔ اور ساتھ ہی وہ خیال کرتے ہیں کہ ہمارے لئے وہ تھوڑا ہی تکلیف اُٹھاتے ہیں۔ یا اپنے کھیتوں کو چھوڑ کر کارخانوں کے راستے لیتے ہیں۔ بلکہ اپنی روزی کی فکر میں وہاں کام کرتے ہیں۔ اور اپنا پیٹ پالتے ہیں۔ اس لئے ان چیزوں کے استعمال کرنے میں ہم حق بجانب ہیں ⁂

(۵)

سوشلسٹ عقیدے کا دیوالہ

اگر اہلِ سائینس کے خیال کے مطابق یہ مان بھی لیا جائے۔ کہ دیہاتیوں کے لئے موجودہ حالات میں یہ ضروری ہے کہ وہ کارخانوں میں جا کر کام کریں۔ تو پھر بھی اس عقیدے میں ایک زبردست کمزوری نظر آتی ہے۔ سوشلسٹ کہتے ہیں کہ جب مزدوروں کا کارخانوں پر مکمّل قبضہ ہو جائے گا۔ تو وہ بھی سرمایہ داروں کی مانند عیش وعشرت کی زندگی بسر کریں گے۔ وہ اچھے کھُلے اور ہوادار مکانوں میں رہیں گے۔ بجلی کی روشنی استعمال کریں گے۔ مُرغن غذا کھائیں گے۔ تھیئٹر اور سنیما

دیکھیں گے۔ موٹروں پر سوار ہو کر باہر جایا کریں گے۔ کتابیں اور اخبار پڑھیں گے*

اس عقیدے کی تکمیل کے لئے یہ ضروری ہے کہ کام کو نہایت خوبی سے تقسیم کیا جائے۔ تاکہ گڑبڑ نہ پھیلنے پائے۔ اور انتظام میں خلل واقع نہ ہو۔ تو پھر کام کی تقسیم کس طرح ہونی چاہیئے؟

یہ ضروریات پر منحصر ہے۔ کہ لوگ کیا کیا چیزیں چاہتے ہیں؟ ہمارے پاس کوئی ایسا تخمینہ موجود نہیں جس سے ہم یہ ظاہر کر سکیں۔ کہ جب مزدوروں کے اپنے کارخانے ہونگے۔ تو سوسائٹی کن چیزوں کا مطالبہ کرے گی*

غالباً ہر ایک کی یہ خواہش ہوگی کہ اسے وہ تمام سامان میسّر ہوں جو راجوں اور مہاراجوں کے ہاں موجود ہوتے ہیں۔ اِس لئے اِس سوسائٹی کو جن چیزوں کی ضرورت ہوگی۔ اُن کی حدبندی کرنا مشکل معلوم ہوتی ہے۔ پھر یہ بھی مشکل امر ہے کہ ان لوگوں کو اس قسم کی اشیاء بنانے پر کس طرح مجبور کیا جائے گا۔ جن سے انہیں طبعی نفرت ہے۔ یا جنہیں وہ سوسائٹی کے لئے مُضر خیال کرتے ہیں*

اگر مزدوروں کو مکمّل آزادی مِل جائے۔ اور یہ فیصلہ کر دیا جائے کہ روزانہ چھ گھنٹے سے زیادہ کوئی کام نہ کرے۔ تو ان لوگوں سے چھ گھنٹے کام لینا مشکل ہو جائے گا۔ کیونکہ وہ اپنی مرضی کے مالک ہونگے*

یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ موجودہ نظام کے ماتحت سینکڑوں قسم کی چیزیں تیار ہو رہی ہیں۔ اور جن کی تیاری میں مشینوں کا بہت سا ہاتھ ہے۔ اور ساتھ ہی اس کے یہ بھی ماننا پڑے گا کہ موجودہ عہد میں

کام کی تقسیم جیسی بھی ہے غیر تسلی بخش نہیں ۔ فرق صرف اتنا ہے کہ موجودہ تقسیم کی بدولت سرمایہ دار فائدہ اُٹھاتے ہیں ۔ اور جب مزدوروں کو آزادی مل جائے گی تو مزدور بھی سرمایہ داروں کی برابری کا دعوے کر سکیں گے اور کام کی موجودہ تقسیم کو اس طریق سے بدل دیں گے ۔ کہ انہیں بھی عمل اور فعل کی پوری پوری آزادی حاصل ہو جائے لیکن یہ کہنا مشکل ہے کہ آزادی کے زمانے میں بھی یہ آرام دہ چیزیں اسی طرح ایجاد ہوتی رہیں گی ۔ یا نہیں ؛

اس میں ذرا بھی شک نہیں کہ کام کی موجودہ تقسیم کے مطابق کرپ نہایت عمدہ توپیں تیار کرتا ہے ۔ این ۔ ایم ریشمی کپڑا بناتا ہے ۔ ایکس ۔ وائی اور زیڈ حسن اور خوبصورتی کی چیزیں مثلاً صابن خوشبو یات ۔ اور پوڈر بنا کر مارکیٹ میں بھیجتا ۔ اور کے (K) بہترین قسم کی شراب پیش کرتا ہے ۔ اور اس میں بھی شک نہیں کہ کارخانوں کے مالکوں کے لئے جو یہ چیزیں تیار کرتے ہیں بڑے نفع کا سودا ہے ۔ لیکن توپیں ۔ لونڈر اور شراب کی اُن لوگوں کو ضرورت ہے جو چین کی منڈیوں پر غلبہ پانا چاہتے ہیں ۔ یا جو شرابی ہیں ۔ یا اُن عورتوں کے لئے جنہیں اپنے حسن و جمال کا بڑا خیال رہتا ہے ۔ بہت سے آدمی ایسے بھی نکل آئیں گے جو ان چیزوں کو قطعی طور پر پسند نہیں کرتے ۔ بلکہ ان چیزوں کا استعمال دُنیا کے لئے مضر خیال کرتے ہیں ۔ ان کے علاوہ اور بھی کئی ایسے لوگ نکل آئیں گے جو نمایش کو ناپسند کرتے ہیں ۔ شراب اور گوشت سے پرہیز کرتے ہیں ۔ اور ان چیزوں کو سوسائٹی کے لئے غیر ضروری سمجھتے ہیں ۔

پھر آزادی کے زمانے میں ان لوگوں کو اس قسم کی چیزیں بنانے کے لئے کس طرح مجبور کیا جائے گا؟

فرض کرو کہ وہ لوگ یہ چیزیں بنانے کے لئے تیار بھی ہو جائیں تو پھر یہ مشکل رونما ہوگی کہ کونسی چیزیں پہلے تیار کی جائیں۔ اور کونسی بعد میں۔ کیونکہ اس وقت آقا اور ملازم کا سوال ہی نہ رہے گا۔ ہر ایک اپنی ہی بڑ ہانکے گا۔ اور اپنی مرضی کے مطابق کام کرنا پسند کرے گا۔ چونکہ سب کی ذمہ داری برابر ہوگی۔ اس لئے یہ فیصلہ کرنا مشکل ہوگا کہ پہلے سائبیریا میں پورٹ آرتھر کو بچانے کے لئے ریلوے لائن تیار کی جائے یا پہلے شہر کی سڑکوں کی طرف توجہ دی جائے۔ پہلے بجلی کا کام شروع کیا جائے یا کھیتوں میں پانی کی بہم رسانی کا کام ہاتھ میں لیا جائے اور اس کے بعد ایک اور عقدہ حل کرنا ہوگا۔ اور وہ یہ کہ کون لوگ ایک کام کر سکتے ہیں اور کون دوسرا! کیونکہ مزدور آزاد ہونگے۔ اس لئے آپ انہیں ایک کام کے لئے مجبور تو کر نہیں سکتے۔ وہ اپنی مرضی اور خواہش کے مطابق کام کریں گے۔ جو آسان کام ہوگا اُس کی طرف سب دوڑینگے مشکل کام کو کوئی ہاتھ نہیں لگائے گا۔

عملی طور پر ان سوالات کا جواب نہیں دیا جا سکتا۔ ابھی تک زبانی جمع خرچ ہے۔ اور تصوری ہی پیش کی جا سکتی ہے۔ ایک تصوری یہ ہوگی۔ کہ آزاد ملک میں بھی ایک خاص جماعت کو تمام طاقتیں حاصل ہونگی۔ وہ جس طرح چاہیں گے دوسروں سے کام لیں گے۔ اور ان کا حکم ماننا پڑیگا۔ مانا کہ یہ ٹھیک ہے۔ مگر ان کے لئے بھی تو کام کی تقسیم کا سوال ایک ٹیڑھا سوال ہوگا۔ اب تو کام کی تقسیم مزدوروں کی اپنی ضروریات کے مطابق

ہے۔ اگر ایک مزدور تمام عمر زمین کے نیچے رہ کر کانوں میں کام کرتا ہے۔ یا دن رات انجن کی دیکھ بھال کرتا ہے۔ یا ہتھوڑا چلاتا ہے۔ تو صرف اس لئے کہ وہ جانتا ہے کہ اس کے بغیر روزی بہم پہنچانے کا کوئی ذریعہ نہیں۔ لیکن جب انہیں آزادی مل جائے گی۔ وہ روٹیوں کے حقدار ہونگے اور ان کی اپنی حکومت ہوگی تو پھر اس قسم کا مشکل ترین کام جو زندگی اور عمر کے علاوہ روح پر بھی اثر انداز ہوتا ہے کون پسند کرے گا۔ یہ ماننا پڑے گا کہ دنیا کا نظام قائم رکھنے کے لئے کام کی تقسیم ضروری ہے۔ اور بے حد ضروری ہے۔ یہ اُس وقت سے ہوتی آئی ہے۔ جب سے دُنیا بنی ہے۔ اور اُس وقت تک قائم رہے گی۔ جب تک یہ دُنیا بستی ہے۔ مگر آزاد دُنیا میں یہ تقسیم ذرا مشکل ہو جائے گی۔ مزدوروں سے ان کی اپنی مرضی کے مطابق کام لینا آسان نہیں۔

فرض کرو۔ کہ ایک مزدور موچی کا کام کرتا ہے۔ بوٹ بناتا ہے اور اس کی بیوی بھی اس کام میں اس کی مددگار ہے۔ دوسرا شخص ہل جوتتا ہے غلہ پیدا کرتا ہے۔ تیسرا لوہار ہے۔ وہ بھی کئی قسم کی چیزیں بناتا ہے۔ جن کی سوسائٹی کو ضرورت ہے۔ انہیں اپنے اپنے کام میں خوب مہارت حاصل ہے۔ وہ چیزیں تیار کرتے ہیں اور ایک دوسرے سے تبدیل کر لیتے ہیں۔ گویا اس طریق پر ہر ایک کی ضرورت رفع ہو گئی۔ اور یہ ایک ذریعہ ہے۔ جس سے آزاد ملک میں کام کی تقسیم قائم رہ سکتی ہے۔ لیکن اس صورت میں ضروریات کو کم کرنا ہوگا۔ اگر ایک مزدور کو دن بھر بھٹی کے پاس کام کرنا پڑتا ہے۔ یا ہتھوڑا چلانا پڑتا ہے یا گیس سے بھرے ہوئے کمروں

ہیں کام کرنا پڑتا ہے تو وہ آزادی کے زمانے میں اس قسم کے کام سے انکار کر دے گا۔ کہ بھٹی میں کیوں مروں۔ میری زندگی فالتو تو نہیں۔ روٹیاں کمانی ہیں۔ کسی اور طرح کما لوں گا۔ اور پھر آپ اُسے وہی کام کرنے کے لئے مجبور نہیں کر سکیں گے۔ اگر موجودہ تقسیم کو قائم رکھنے کا سوال ہے۔ تو وہ اسی نظام کے ماتحت قائم رہ سکتی ہے۔ جس میں غلامی ہے۔ سختی ہے اور ظلم ہے۔ آزادی کے زمانے میں یہ قائم نہیں رہ سکتی۔

اگر لوگ اتفاق سے کام لیں۔ تو اُن کا کام نہایت آسان ہو جاتا۔ فرض کرو کہ ایک سڑک بنانی ہے۔ ایک شخص اُسے کھودتا ہے۔ دوسرا پتھر لاتا ہے۔ اور تیسرا انہیں سڑک پر بچھا کر کوٹتا ہے۔ سڑک تیار ہو جائے گی۔ اور کرنے والوں کو احساس تک نہ ہوگا۔ کہ اُنہوں نے کچھ کیا بھی ہے یا نہیں۔ اور اگر مزدوروں کی مرضی کے خلاف اِن سے رائے لئے بغیر کوئی کام شروع کر دیا جائے گا۔ کوئی ریلوے لائن یا کوئی شاندار محل یا کوئی ایسی فضول چیز جو پیرس کی نمایش میں لوگوں کی توجہ کو اپنی طرف مبذول کر سکے۔ بنانے کی ضرورت پڑ گئی اور کام شروع کر دیا گیا۔ اب ایک مزدور کو لوہے کا کام دیا جاتا ہے۔ ایک کو کوئلہ کھودنے کے لئے کہا جاتا ہے۔ کسی کو درخت کاٹنے کا حکم ہوتا ہے۔ چونکہ موجودہ نظام کے مطابق وہ مزدور ہیں۔ اور حکم کے بندے۔ اس لئے کر تو دینگے ہی! مگر بے دلی سے! اپنے پیٹ کی خاطر! لیکن انہیں اس قسم کی خبروں سے ہمدردی نہ ہوگی۔ وہ بس یہی خیال کریں گے۔ کہ ہمارا خون چوسا جا رہا ہے۔ اور وہ کام کی اس تقسیم کو دل سے کبھی پسند نہ کریں گے :-

اس لیئے جب مزدوروں کو قول اور فعل کی آزادی مل جائے گی۔ تو وہ اپنی مرضی اور خواہش کے مطابق وہ کام کریں گے جس کے کرنے میں انہیں اور ملک کو فائدہ ہوگا غیر ضروری چیزیں بننا بند ہو جائیں گی۔ اور موجودہ تقسیم قائم نہ رہ سکے گی *

یہ خیال کرنا کہ مزدوروں کو آزادی ملنے کے بعد بھی ضروری اور غیر ضروری چیزیں کارخانوں میں ایسی تیار ہوتی رہیں گی غلطی ہے۔ جب مزدور اور غلام آزاد ہو گئے تو امیروں کی من مانی کارروائیاں اور عیش و عشرت کے سامان کہاں رہے۔ وہ بھی بقینی طور پر ختم ہو جائیں گے۔ اس کے ساتھ ہی سوشلسٹ عقیدے کا بھی خاتمہ ہو جاتا ہے۔ کہ جب مزدوروں کو آزادی مل جائے گی۔ تو غریب سے غریب بھی اُن چیزوں کو استعمال کر سکے گا۔ جو آج کل صرف امیروں اور رئیسوں کے لئے مخصوص ہیں۔ وہ یہ نہیں جانتے کہ آزاد ملک اور سوسائٹی میں جہاں کوئی کسی کا محتاج نہیں رہے گا۔ یہ چیزیں تیار ہی نہ ہونگی۔ پھر استعمال کے کیا معنی؟ گویا اُن کا عقیدہ خود بخود غلط ثابت ہو جاتا ہے *

(۶)

آزادی

آج کل سائنس کا زمانہ ہے۔ ملک اور سوسائٹی کی باگ ڈور سائنس دانوں کے ہاتھ میں ہے۔ اُنہوں نے ریل۔ تار۔ ٹیلیفون۔ فوٹوگراف۔ شفا خانے۔ نمایش گاہیں اور عیش و آرام کی تمام چیزیں تیار کیں۔ اور وہ کبھی بھی گوارا نہ کریں گے۔ کہ موجودہ نظام میں جس کی

بدولت وہ دن رات نئی ایجادیں کرتے رہتے ہیں۔ کوئی خفیف سی تبدیلی بھی واقع ہو۔ اور جسے وہ ترقی کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ وہ موجودہ تربیت پر اس قدر فریفتہ ہیں کہ اسے کبھی بھی تباہ نہ ہونے دینگے۔ اور یہ تربیت اُسی وقت تک قائم رہ سکتی ہے۔ جب تک کہ مزدوروں سے زبردستی کام لیا جا سکتا ہے۔ آزادی کے زمانے میں اس تربیت کا نام زندہ نہیں رہ سکتا۔ لیکن سائنس دانوں کا دعوےٰ ہے۔ کہ خواہ دنیا بدل جائے ہم ان تربیت یافتہ دماغوں کو ہرگز نہ بدلنے دیں گے۔ اس کو اپنی زندگی کا معیار سمجھتے ہیں۔ وہ اس پر فخر کرتے ہیں۔ اُن کا عقیدہ ہے کہ یہ تربیت یافتہ دماغ کبھی خراب نہیں ہو سکتے۔ جو چیزیں آج کل کارخانوں میں تیار ہو رہی ہیں یہ ہوتی ہی رہیں گی۔ تربیت یافتہ لوگ سائنس کے اس روشن زمانہ میں بیکار کس طرح بیٹھ سکتے ہیں۔ مگر میری رائے مختلف ہے اور میری کیا وہ تمام لوگ بھی جن کے دماغ علم و خرد کی روشنی سے مُنوّر ہیں۔ جو سچے عیسائی ہیں۔ حضرت عیسےٰ کے پیرو کار ہیں۔ اس کے بنائے ہوئے قوانین کی عزّت کرتے ہیں۔ جنہیں قُدرت کی طرف سے محبت کا سبق ملا ہے۔ جو حق ہمسائیگی سے واقف ہیں۔ میرے ہم خیال ہوں گے۔

ہم مانتے ہیں کہ بجلی کی روشنی۔ ٹیلیفون۔ نمائشیں۔ سینما۔ تھیٹر۔ موٹر کاریں اور خوبصورت باغ ضرور اچھی چیزیں ہیں۔ ہر ایک چاہتا ہے کہ ہم اچھے کپڑے پہنیں۔ مزیدار کھانے کھائیں۔ عیش و عشرت کی زندگی بسر کریں۔ مگر میں ان لہو و لعب کی اشیاء پر لعنت بھیجتا ہوں۔ کیونکہ انھی کی تیاری میں ہزاروں انسانوں کی قیمتی جانیں تلف ہو جاتی ہیں۔

یہ جان کر بھی کہ ہمیں آرام بہم پہنچانے کے لئے ہمارے سینکڑوں بھائی ہر روز موت کے منہ میں جارہے ہیں۔ کون ایسا سنگ دل ہوگا۔ جو زمانے کی موجودہ حالت پر چار آنسو نہیں بہائیگا۔ جو سنے گا وُہ یہی کہے گا۔ ہمیں اِن چیزوں کی ضرورت نہیں۔ جو ہماری زندگی کے لئے غیر ضروری ہیں۔ ہم اپنے آرام پر دوسروں کو قربان نہیں کرسکتے۔ اگر لندن یا پیٹربرگ کو بجلی کی روشنی سے منور کرنے کے لئے۔ یا دیگر اسی قسم کے کاموں کو سرانجام دینے کے لئے انسانی زندگیوں کو قربان کرنے کی ضرورت ہے۔ تو کوئی ضرورت نہیں۔ کہ لندن یا پیٹربرگ میں بجلی جلائی جائے۔ ہم گیس یا تیل جلاکر گزارہ کرلینگے۔ نمایش گاہوں کے بغیر رہ لیں گے۔ نمایش نہ ہوگی نہ سہی۔ نہ دیکھیں گے۔ مگر ہم یہ نہیں چاہتے کہ ہماری وجہ سے کسی ایک کا بھی خون ہو۔ کیونکہ یہ ظلم اور پاپ ہے۔ وہ سمجھدار لوگ ہیں۔ عقلمند ہیں۔ اور خود غرض ہیں۔ وہ ریل کی بجائے گھوڑے کی پیٹھ پر سفر کرلینا گوارا کرلیں گے۔ زمین کو جانوروں یا ہل کی مدد کے بغیر ہاتھوں سے کھود لیں گے۔ لیکن یہ گوارا نہیں کریں گے۔ کہ ریل ہر سال ہزاروں انسانوں کو موت کے گھاٹ اُتار دے۔ اور ریلوے کمپنیاں اپنے فواید کی خاطر مقتولوں کے وارثوں کو ایک معمولی رقم دے کر اُن کا مُنہ بند کردیں۔ اور بعض حالتوں میں اس سے بھی جواب دے دیں ۔

ہم یہ نہیں چاہتے کہ سائنس ——— تربیت، علم اور ہنر وفن تباہ ہو جائیں۔ جو بنی نوع اِنسان کے لئے مفید ہیں۔ اور یہ ہم یقین دلاتے ہیں کہ مزدوروں کو آزادی مِلنے کے یہ معنی نہیں ہونگے۔

کہ لوگ پُرانے وقتوں کی مانند لاٹھیوں سے زمین کھودیں۔ یا روشنی کے لئے مشعلیں استعمال کریں۔ لیکن یہ ضرور ہوگا کہ آزادی مِل جانے پر اس طرح بے دریغ غریبوں اور مزدوروں کی زندگیاں تلف نہیں ہونگی۔ البتہ زندگی خوشگوار۔ پرلطف اور سادہ ہو جائے گی پھر ہمیں نمایش کے ساز و سامان کی ضرورت نہ رہے گی۔ جس کے تیار ہونے میں ہمارا نقصان ہوتا ہے ❖

(۷)

غُلامی کہاں ہے؟

فرض کرو۔ کہ ایک اجنبی شخص ہمارے ملک میں وارد ہوتا ہے۔ اُسے ہمارے رسم و رواج۔ مذہب۔ طور و اطوار۔ ہمارے قوانین اور ہماری تواریخ کا کچھ علم نہیں۔ وہ ہماری زندگیوں کو بغور مطالعہ کرتا ہے۔ کچھ عرصے کے بعد اگر ہم اس سے پوچھیں کہ کہو۔ بھائی! کیا دیکھا؟ تو وہ کہے گا۔ دیکھا کیا؟ امیروں کو غریبوں پر ناگفتہ بہ ظلم کرتے ہوئے دیکھا۔ امیروں کی اس جماعت کو دیکھا۔ جو ظاہرا طور پر نہایت پاک و صاف رہتے ہیں۔ عمدہ کپڑے پہنتے ہیں۔ گاڑیوں میں سیر کے لئے نکلتے ہیں۔ چٹ پٹے اور مزیدار کھانے کھاتے ہیں۔ اور لہو ولعب میں مستغرق ہیں۔ کسی کام کو ہاتھ لگانا کسرِ شان سمجھتے ہیں۔ لیکن کن کے بَل بوُتے پر؟ ——— غریبوں کے! جو دن رات محنت کرتے ہیں۔ امیروں کو آرام بہم پہنچاتے ہیں۔ اور خود سوکھی روٹی کو بھی محتاج ہیں۔ غریب لوگ گندے اور غلیظ رہتے ہیں۔

میلے کپڑے پہنتے ہیں۔ جسم صاف نہیں رکھتے۔ خراب غذا کھاتے ہیں۔ اور دن رات ان کے آرام کے لئے کام کرتے رہتے ہیں۔ جو خود کام کو ہاتھ نہیں لگاتے۔ مگر سمجھتے یہ ہیں۔ کہ جو کچھ خدا نے پیدا کیا ہے اس کے حق دار ہم ہی لوگ ہیں +

پُرانے زمانے میں آقا بھی تھے اور غلام بھی! غلام اپنے آقا کے ہاتھوں ہمیشہ تنگ رہتے تھے۔ اور آقا جو سلوک چاہتا تھا۔ اُن کے ساتھ کرتا تھا۔ کوئی داد فریاد نہ تھی۔ کیونکہ وہ اُن کا آقا تھا۔ اور یہ زر خرید غلام! لیکن اب تہذیب نے اتنا تو کیا۔ کہ آقا اور غلام کا سوال نہیں رہا۔ غلاموں کے خرید و فروخت کی رسمیں بند ہو گئیں۔ مگر بہ نظرِ غور دیکھا جائے۔ تو اب بھی مزدور لوگ سرمایہ داروں کے غلام ہی ہیں۔ فرق صرف یہ ہے کہ اس پرانی رسم میں تھوڑی سی تبدیلی کر دی گئی ہے۔ ورنہ وہی آقا اور وہی غلام! اب بھی سینکڑوں مزدور کارخانوں میں کام کرتے ہوئے وقت سے پہلے عدم آباد کا رستہ لے لیتے ہیں۔ کہ توبہ ہی بھلی! گزشتہ زمانے میں غلام ہمیشہ غلام ہی رہتا تھا۔ لیکن اب بعض اوقات غلام کی خدا سُن لیتا ہے۔ اور وہ سرمایہ دار بن کر فوراً آقا بن جاتا ہے۔ ورنہ آقا اور غلام کی تقسیم میں کوئی فرق نہیں۔ وہ اسی طرح جُدا جُدا ہیں۔ جیسے دن اور رات +

اِس میں شک نہیں کہ موجودہ زمانے میں ایک آقا اپنے غلام کو اپنا پاخانہ اُٹھانے پر مجبور نہیں کرسکتا۔ یا حکم نہیں دے سکتا۔ لیکن جہاں اس کے پاس چار پیسے ہوں۔ تو وہ ایک کیا سَو آدمی اُن پیسوں کے لالچ سے یہ کام کرنے کو تیار ہو جائینگے۔ چار پیسوں

کے لالچ سے اتنا غلیظ کام ! ——— صاحب پیٹ بُری بلا ہے۔ پیٹ بھرنے کے لئے اِنسان سب کچھ کرنے کے لئے تیار ہو جاتا ہے +

آپ دیکھتے ہیں کہ بھنگی لوگ ۸ ر یا ۴ ر ماہوار لے کر آپ کے گھر بھر کا پاخانہ اُٹھا کر ہر روز لے جاتے ہیں۔ اگر وہ غلام نہیں تو اَور کون ہیں ؟

موجودہ زمانے کے غلاموں کی حالت گزشتہ زمانے کے غلاموں سے بھی بُری ہے۔ کیونکہ وہ لوگ تو اپنی مرضی کے خلاف تجارتی منڈیوں میں آکر بکتے تھے۔ لیکن آج کل تو وہ خود ہی پیٹ کی خاطر اپنی زندگی سرمایہ داروں کے ہاتھ جو کارخانوں یا زمینوں کے مالک بنے بیٹھے ہیں۔ بیچ دیتے ہیں۔ آج کل کے کسان بھی غلام ہیں۔ وہ ہل جوتتے ہیں۔ مگر دوسروں کے لئے غلّہ بوتے ہیں فصل کاٹتے ہیں۔ اور تمام غلّہ مالک کے ہاں دے آتے ہیں۔ اور جن کی تھوڑی بہت اپنی زمین ہے اور کاشت کرتے ہیں لیکن انہیں اس میں کچھ نہیں ملتا۔ غلہ کی فروخت سے جس قدر روپیہ ملتا ہے وہ سود خواروں کے گھر چلا جاتا ہے۔ اور یہ بیچارے ننگے کے ننگے !

گزشتہ زمانے میں غلاموں کی تعداد اتنی نہ ہوگی جتنی آجکل ہے آپ کے گھر پر کام کرنے والے تمام غلام ہیں۔ مزدوروں کو لے لیجئے۔ باورچی۔ گھر کی ملازم۔ قلی۔ گھسیارے۔ سپاہی چپڑاسی اور اردلی !

——— یہ سب غلام ہیں۔ اور اسی حالت میں اپنی تمام زندگی گزار دیتے ہیں۔ اور تمام عمر وہ کام کرتے رہتے ہیں۔ جسے

وہ پسند نہیں کرتے صرف پیٹ کی خاطر انہیں سب کچھ کرنا پڑتا ہے ۔
چنانچہ ثابت ہو گیا کہ غلامی زوروں پر ہے مگر ہم اس پر دھیان نہیں دیتے ۔ اسی طرح اٹھارھویں صدی کے آخر میں یورپ میں اس کا رواج تھا ۔ مگر لوگ اُسے غلامی نہ سمجھتے تھے ۔ ان کا خیال تھا کہ اگر مزدور لوگ اپنے آقا کے لئے زمین بوتے ہیں یا ہل چلاتے ہیں ۔ تو یہ قدرتی امر ہے ۔ انہیں کوئی مجبور نہیں کرتا ۔ اگر انہیں یہ کام منظور نہیں تو وہ کوئی دوسرا کام تلاش کر سکتے ہیں ۔ اسی طرح آجکل یہ کہا جاتا ہے کہ مزدوروں کی قسمت یہی ہے ۔ اُنہوں نے آخر مزدوری ہی تو کرنی ہے ۔ اگر یہ نہیں کریں گے تو کھائیں گے کیا ۔ ہاتھ پاؤں ہلائے بغیر روٹی میسّر نہیں آتی ۔
آخر وہ دن آ گیا ۔ جب یورپ کے لوگوں نے سمجھا کہ ہیں ! مزدوروں کے ساتھ ظلم ہو رہا ہے ۔ بے حد سختی برتی جا رہی ہے ۔ ان کے ساتھ ہمدردانہ برتاؤ ہونا چاہیئے ۔ وہ بھی انسان ہیں ۔ اور ہمارے بھائی ۔ اسی طرح آج کل روس میں لوگ سمجھنے لگ گئے ہیں ۔ کہ ہم مزدوروں کو ساری عمر مزدور بنا کر نہیں رکھ سکتے ۔ وہ بھی خدا کے بیٹے ہیں ۔ انہیں بھی دُنیا کی نعمتوں کے استعمال کا پورا پورا حق ہے ۔ اس لئے ان کی حالت میں وہ تبدیلی کرنی پڑے گی جسے آزادی کے نام سے پکارا جاتا ہے ۔
ہماری سوسائٹی میں جو سمجھ دار لوگ ہیں ۔ وہ اصلیت کو سمجھنے لگ گئے ہیں ۔ اور مانتے ہیں ۔ کہ ہم غریبوں کے ساتھ انسانوں جیسا سلوک نہیں کرتے ۔ لیکن اب بھی بہت سے لوگ ایسے ہیں جنہیں

اپنے حلوے مانڈے سے کام ہے۔ ان کی آنکھوں پر خُود غرضی کا پردہ پڑا ہُوا ہے۔ انہیں کچھ دکھائی نہیں دیتا ؛

یہ غلط فہمی کیوں پیدا ہوگئی ہے؟ اس لئے کہ وہ سمجھتے ہیں کہ ہمارے مُلک سے غلامی کا رواج دُور ہوگیا ہے۔ پھر یہ غلامی غلامی کی کیا رٹ لگا رہے ہیں۔ دراصل بات یہ ہے کہ حکومتوں نے رسم غلامی کی ایک قسم کا انسداد کیا ہے۔ جس کی ملک کو ضرورت نہ رہی تھی۔ اور اس کے بدلے غلامی کی جڑوں کو اور بھی مضبوط کر دیا گیا ہے۔ پہلے غلاموں کی تعداد کم تھی۔ اب بے انتہا ہوگئی ہے۔ یہ تو وہی بات ہوئی۔ جیسے کریمیا کی لڑائی میں تاتاریوں نے اپنے قیدیوں کے ساتھ کیا تھا۔ یعنی اُنہوں نے اپنے تمام قیدیوں کے پاؤں کے تلوے زخمی کر دیئے۔ اور راستے میں کانٹے بچھا دئے۔ پھر ان کی بیڑیاں اُتار ڈالیں۔ اب وہ جانے تو کیسے جاتے۔ نہ جائے ماندن نہ پائے رفتن کا معاملہ تھا۔ بلکہ اور بھی اذیت میں پھنس گئے۔ ان کے پاؤں زخمی ہو گئے۔ جا سکتے نہیں تھے۔ مجبوراً وہیں رہ کر کام کرنے پر مجبور ہو گئے ؛

شمالی امریکہ کے لوگوں نے غلامی کی رسم کو دور کرنے کے لئے زبردست آواز بلند کی تھی۔ کیونکہ اُنہوں نے اس قبیح رسم کو جاری رکھنے کا دوسرا طریقہ سوچ لیا تھا۔ اور چونکہ پُرانی رسم بیکار ہوگئی تھی۔ اس لئے وہ اسے بُرائی سمجھتے تھے۔ جنوبی امریکہ میں چونکہ غلامی کی نئی رسوم نے اپنا عمل دخل نہیں جمایا تھا۔ اس لئے وہ پرانی رسُوم کو چھوڑنا نہیں چاہتے تھے ؛

روس میں غلامی کا انسداد اُس وقت ہوا تھا۔ جب زمین تقسیم کردی گئی۔ لیکن کسانوں کو زمین کیا ملی۔ اُنہوں نے مصیبت خرید لی۔ ٹیکس اس قدر لگ گئے۔ جن کا روپیہ ادا کرنا مشکل ہو گیا۔ وہ بیچارے پھر غلام کے غلام بنے رہے۔ یورپ میں بھی کسانوں کو ٹیکسوں کے بوجھ سے لادا گیا۔ اور ان ٹیکسوں سے اُس وقت اُن کی جان بچی۔ جب وہ اپنی زمینوں کو چھوڑ چھاڑ کر شہروں میں آبسے اور سرمایہ داروں کے جال میں پھنس گئے۔ بس پھر کیا تھا۔ غلّے پر تمام ٹیکس منسوخ ہو گئے۔ اب جرمنی اور دیگر ملکوں میں بھی یہی چال چلی جا رہی ہے۔ کیونکہ بہت سے لوگ سرمایہ داروں کے چنگل میں پھنس چکے ہیں۔

مذکورہ بالا مثالوں سے یہ ثابت ہو گیا کہ غلامی جوں کی توں قائم ہے۔ صرف اس کی صورت بدل گئی ہے۔ اور یہ صورت پہلی صورت سے بھی زیادہ خوفناک۔ ہیبت ناک اور دہشت انگیز ہے۔ امیروں کا مطلب یہ ہے کہ کسی نہ کسی ڈھب سے غریبوں کو پھنسائے رکھیں۔ چنانچہ اب بھی ایک چھوٹا سا خوش حال طبقہ غریبوں کی محنت اور کمائی پر مالا مال ہو رہا ہے۔ اور اس لئے غریبوں کی دنیا روشن نہیں ہوتی۔ وہ تاریک ہے اور تاریک ہی رہے گی۔

ہمارا فرض ہے کہ ہم پہلے یہ مان لیں کہ غلامی کی قبیح رسم دُور نہیں ہوئی۔ وہ موجود ہے۔ اور اُسی طرح غریبوں کی جانیں تلف کر رہی ہے۔ اور جب یہ خیال ہمارے ذہن نشین ہو جائے۔ ہمارا دل و دماغ اسے تسلیم کرے تو پھر ہمیں غلامی کے اسباب کی تلاش کرنی چاہئے۔ جب اسباب ہاتھ آجائیں۔ تو اُن کا دفعیہ لازمی ہے۔

(۸)

غلامی کسے کہتے ہیں ؟

غلامی کیا ہے۔ کہاں رہتی ہے۔ اور کس وجہ سے لوگ دوسروں کے غلام بننے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔ اگر ہم روس۔ یورپ اور امریکہ کے مزدوروں سے جو گاؤں اور قصبوں میں اُجرت پر کام کرتے ہیں۔ دریافت کریں۔ کہ کیوں بھئی ! تمہاری یہ دُردشا کیوں ہوئی ؟ تو وہ جواب دینگے۔ زبردستوں کی وجہ سے ! کیونکہ ان کے پاس زمین نہیں۔ جس پر وہ گزارہ کر سکیں۔ (خصوصاً روسی مزدوروں کا تو یہی جواب ہوگا) یا ان پر اس قدر ٹیکس عاید کر دیئے گئے تھے۔ کہ وہ انہیں ادا نہیں کر سکتے تھے۔ یا ان کی زندگی کی ضروریات بڑھ گئی تھیں۔ ان کی طبیعتیں عیش و عشرت کی طرف راغب ہو گئی تھیں۔ چنانچہ انہیں اپنی ضروریات کی خاطر اپنی محنت اور آزادی کو بیچنا پڑا +

پہلی دو چیزیں یعنی زمین کا نہ ہونا اور ٹیکس کی زیادتی ایک مزدور کو مجبور کرتی ہے۔ کہ وہ دوسری جگہ غلام بن کر کام کرے۔ اور تیسری چیز یعنی زندگی کی بڑھی ہوئی غیر ضروری ضروریات اُس کا رہا سہا اثاثہ بھی لوٹ لیتی ہے۔ اور پھر اُسے مجبوراً غلامی کی زندگی بسر کرنی پڑتی ہے +

اگر ہنری جارج کی اسکیم پر عمل کیا جائے تو زمین امیروں سے چھڑائی جا سکتی ہے۔ جب زمین دستیاب ہو گئی۔ تو مزدوروں کی ایک

شکایت رفع ہوگئی۔ اور یہ بھی ممکن ہے۔ کہ غریبوں سے ٹیکس ہٹا دیئے جائیں۔ وہی ٹیکس امیروں سے وصول کئے جا سکتے ہیں۔ جس طرح کہ بعض ممالک میں اب بھی ہو رہا ہے۔ مگر یہ مشکل ہے کہ عیش و عشرت کے موجودہ زمانہ میں ہم امیروں کو لہو و لعب سے باز رکھ سکیں۔ ان کی دیکھا دیکھی غریب لوگ بھی جو ان کے ساتھ چلے چلیں۔ وہی چلن اختیار کر لیتے ہیں۔ امیروں کے طریقے اُن کے دل میں اس طرح گھر کر جاتے ہیں۔ جیسے پانی خشک اور ریتلی زمین میں! اور وہ اپنے ان لچھنوں کی وجہ سے اپنی آزادی۔ اپنا روپیہ پیسہ اور سادہ زندگی امیروں کے پاس بیچ دیتے ہیں۔

چنانچہ غلامی کی یہ آخری اور مضبوط زنجیر ٹوٹنے میں نہیں آتی۔ اگرچہ سائنس ہماری اس رائے سے متفق نہیں۔ کہ غلامی کی یہ بھی ایک وجہ ہو سکتی ہے۔

جو مزدور امیروں سے ملتے جلتے ہیں۔ یا اُن کے حالات دیکھتے ہیں۔ اُن پر امیروں کی عادتوں کا بہت جلد اثر ہو جاتا ہے مثل مشہور ہے۔ خربوزے کو دیکھ کر خربوزہ رنگ بدلتا ہے۔ چنانچہ وہ بھی امیروں کی دیکھا دیکھی اپنی ضروریات میں اضافہ کر لیتے ہیں۔ پھر ان ضروریات کو پورا کرنے کی کوشش میں انہیں اپنی آزادی بہت تھوڑے پیسوں میں فروخت کرنی پڑتی ہے۔ یہ بالکل صحیح اور درست ہے کہ انگلستان اور امریکہ میں مزدور لوگ اپنی معمولی ضروریات سے دس گنا زیادہ کما لیتے ہیں۔ مگر پھر بھی غریب کے غریب رہتے ہیں۔ اور دوسروں کے غلام!

(۹)

ٹیکس - زمین اور جائداد کے قوانین

کسی جرمن سوشلسٹ نے کہا ہے۔ کہ آجکل قانون کا زمانہ ہے۔ قانون لوہے کی طرح سخت ہے۔ اور قانون بھی کونسا! آمدنی کے ذرائع کا قانون۔ جس پر لوگوں کی روزی کا دار و مدار ہے۔ مگر ہمارے خیال میں کوئی قانون ایسا نہیں جس میں ردّ و بدل نہ ہو سکے۔ یا جسے توڑ کر دوسرا قانون نہ بنایا جا سکے۔ یہ قانون انسان کے خود ساختہ ہیں۔ اُس نے اپنی خود غرضی کو مدِّنظر رکھ کر خود اپنی دقّتوں میں اضافہ کیا ہے۔ اور یہ دِقّتیں دُور ہو سکتی ہیں۔

خدائی احکام کو فولاد کی طرح مضبوط اور سخت کہا جا سکتا ہے۔ مگر انسان کے بنائے ہوئے قوانین کو لوہے کی سختی سے تشبیہ دینا مناسب نہیں۔ موجودہ غلامی جس کا رونا ہم لوگ رو رہے ہیں۔ خُود انسان نے اپنی خواہش کے مطابق پیدا کی ہے۔ اور غریبوں کو قانون کے شکنجے میں جکڑ دیا ہے۔ پہلا قانون یہ ہے۔ کہ ایک شخص جس قدر زمین چاہے روپے کی بدولت خرید سکتا ہے۔ وہ زمین پشت در پشت اس کے خاندان کی جائداد میں شمار ہوتی ہے۔ جسے وہ جس طرح چاہے استعمال کر سکتا ہے۔ دوسرا قانون ہے۔ کہ ٹیکس کا روپیہ فوراً ادا کرنا پڑتا ہے۔ خواہ ہو یا نہ ہو۔ مگر سرکار کا گھر پورا کئے بغیر چارہ نہیں۔ تیسرا قانون یہ ہے کہ جس قدر چیزیں جس مقدار میں ہم چاہیں خرید سکتے ہیں۔ کوئی روک ٹوک نہیں۔ اور نہ ہی ضرورت کا سوال ہے ــــــ

کئی قانون ہیں جن میں غلامی کا راز پوشیدہ ہے۔ جب تک یہ قانون رہیں گے۔ غلامی برقرار رہے گی۔ جہاں قانون کا بوجھ ہلکا ہؤا۔ غلامی ہَوَا ہوجائے گی۔

ظاہرا طور پر تو یہ اصول کچھ بُرے معلوم نہیں ہوتے۔ بلکہ قانونِ قدرت کے عین مطابق نظر آتے ہیں۔ مگر در اصل یہی ہماری جڑیں دن بدن کھوکھلی کررہے ہیں۔ ایک زمانہ تھا کہ جب غلاموں کی خرید و فروخت بھی ضرورت کے مطابق معلوم ہوتی تھی۔ لوگ اُسے بُرا نہیں سمجھتے تھے۔ لیکن آخر وہ وقت آگیا۔ کہ اسی رواج کو سوسائٹی کے ماتھے کا کلنک سمجھ کر مٹا دیا گیا۔ اس طرح اگرچہ موجودہ رواج اور قوانین جنہوں نے سوسائٹی کو شکنجے میں جکڑ رکھا ہے کچھ بُرے معلوم نہیں ہوتے۔ مگر وہ وقت بھی عنقریب آنے والا ہے۔ جب یہی رواج عیوب سے پُر نظر آئیں گے اور ہمیں آزادی حاصل کرنے کے لئے اپنی پوری طاقت سے ان کا قلع قمع کردینا ہوگا۔ ہمارے خیال میں جائداد۔ زمین اور ٹیکس کے قوانین کو بدلنے کی اشد ضرورت ہے۔ ورنہ غلامی کا جُوا ہماری گردن سے نہیں اُتر سکتا۔

جس طرح گزشتہ زمانے میں لوگ یہ سوال کیا کرتے تھے۔ کہ یہ کون سا انصاف ہے۔ کہ آدمی آدمی کا غلام بن کر رہے۔ جو کچھ کمائے وہ اپنے آقا کے نذر کردے۔ اور خود کنگال کا کنگال بنا رہے۔ لیکن اب وہ وقت آگیا ہے۔ جب ہمیں یہ دریافت کرنا پڑے گا۔ کہ بھئی یہ کونسا انصاف ہے کہ ایک ضرورت مند اس لئے زمین کو استعمال نہیں کرسکتا۔ کیونکہ وہ دوسرے کی چیز ہے۔ جسے اس کی

مُطلق پروا نہیں۔ کیا یہ انصاف ہے۔ کہ غریب اپنے پسینے کی
کمائی کا ایک بڑا حصّہ ٹیکسوں کی صورت میں سرکار کے حوالے کردیں۔
کیا یہ انصاف ہے کہ ایک شخص جسے ایک چیز کی ضرورت ہے۔
دوسرے کی اُس چیز کا استعمال نہیں کرسکتا جس کے پاس وہ
بیکار پڑی ہے۔

کیا یہ انصاف ہے کہ ایک حاجتمند کسان دوسرے کی زمین
پر کاشت نہیں کرسکتا۔ اگرچہ وہ بیکار پڑی رہے۔ اس کا جواب
یہ دیا جاتا ہے۔ کہ اگر زمین پر کسی کا موروثی حق قائم نہ رکھا جائے۔ تو
کاشت میں ترقی نہیں ہوسکتی۔ لوگ ایک دوسرے کو زمین سے
دھکے مار کر باہر نکال دیں گے۔ روزانہ سر پھٹول ہوگا۔ اور اس
زمین کو بہتر بنانے کے لئے کبھی کوشش نہیں کریں گے۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ کیا یہ درست ہے؟

اس کا جواب تواریخ دے گی۔ اور زمانے کی موجودہ حالت!

تاریخ شاہد ہے کہ آج تک زمین کسی کو اس وعدے پر نہیں
ملی۔ کہ وہ اسے بہتر بنا سکے گا۔ زمین فتحیاب حکمرانوں کی ملکیت
رہی ہے۔ اور وہ اسے اپنے مددگاروں میں انعام کے طور پر
تقسیم کردیا کرتے تھے۔ چنانچہ یہ ثابت ہوگیا۔ کہ زمین آج تک
کاشتکاروں کو نہیں ملی۔ زمین کو جائداد میں شمار کرنے کا یہ نتیجہ
برآمد ہوا ہے۔ کہ رئیس لوگ ہزاروں منتوں اور خوشامدوں سے
اپنی زمین کاشتکاروں کو بونے کے لئے دیتے ہیں۔ وہ بیچارے
دن رات اس پر محنت کرتے ہیں۔ اور جب پھل کھانے کا وقت

آتا ہے۔ تو مالکوں کے ذرا سے اشارے پر اُن کو زمین سے باہر نکال دیا جاتا ہے ؂

اب آپ خود ہی انصاف فرمائیے۔ کہ موجودہ قانون کہاں تک درست ہے۔ یہ قانون کاشتکاروں کے حقوق کی ذرا سی بھی حفاظت نہیں کرتا۔ بلکہ زمینداروں اور امیروں کے ہاتھ مضبوط کرتا ہے۔ جو زبردستی زمین کے مالک بنے بیٹھے ہیں۔ کاشتکاروں کی زندگی کا تمام تر انحصار امیروں کی خواہش پر مبنی ہے۔ وہ ذرا بھی رنجیدہ ہو جائیں یا ناراض ہو جائیں۔ تو کاشتکار کا گھر بار تک کھُدوا دیتے ہیں۔ اور جس زمین پر انہوں نے اپنا خون پسینہ ایک کر دیا ہے۔ وہ فوراً چھین کر دوسرے کو دے دیتے ہیں۔ اس لئے یہ کہنا۔ کہ اگر موجودہ قانون اُڑا دیا جائے۔ تو کاشت کو نقصان پہنچے گا بالکل غلط اور باطل ہے۔ بلکہ یہ کہنا چاہیئے۔ کہ اس قانون کی موجودگی سے کاشت کو سخت نقصان پہنچ رہا ہے ؂

ٹیکسوں کے متعلق یہ کہا جاتا ہے۔ کہ یہ ٹیکس لوگوں کی رائے سے لگائے جاتے ہیں۔ اور چونکہ ان کا روپیہ رفاہِ عام کے کاموں میں صرف ہوتا ہے۔ اس لئے لوگوں کا فرض ہے کہ ادا کریں۔ اب دیکھنا یہ ہے۔ کہ اس بیان میں کہاں تک صداقت موجود ہے ؟

اس کا جواب بھی تواریخ اور زمانے کے موجودہ حالات بخوبی دیتے ہیں۔ تواریخ شاہد ہے۔ کہ ٹیکس لوگوں کے فواید کو مدِ نظر رکھ کر لوگوں کی مرضی سے کبھی نہیں لگائے گئے۔ بلکہ جب

بھی ایک جماعت نے دوسری پر غلبہ پایا ہے۔ اُن سے جزیہ کی صورت میں اپنے لئے یہ ٹیکس وصول کئے ہیں۔ کیونکہ ٹیکس وہی وصول کرسکتا ہے۔ جس میں وصول کرنے کی طاقت ہو۔ یہ کمزوروں کا کام نہیں۔ طاقتور لوگوں کا کام ہے۔ اگر فی زمانہ ان ٹیکسوں کے ذریعے وصول کئے ہوئے روپیہ کا کچھ حصّہ جو برائے نام سمجھنا چاہئے رفاہ عام کے کاموں میں خرچ بھی ہوتا ہے۔ تو دوسری طرف لوگوں کو تباہ بھی کر دیتا ہے۔ اس کے فوائد کے مقابلہ میں تباہی زیادہ ہے۔ اس لئے پھر غریبوں کے لئے کسی طرح بھی مفید نہیں کہا جا سکتا۔

روس کی مثال لیجیے۔ روس میں کسانوں کی آمدنی کا ایک حصّہ ٹیکس کے بہانے سے چھین لیا جاتا ہے۔ اور جانتے ہو۔ شاہی خزانے سے ان پر خرچ کیا ہوتا ہے؟ جس قدر رقم اُن سے سرکار کو وصول ہوتی ہے۔ اُس کا صرف پچاسواں حصّہ! اور وہ بھی اس قسم کی تعلیم پر جو انہیں سمجھدار اور عقلمند بنانے کی بجائے بیوقوف بناتی ہے۔ باقی رقم فضول چیزوں پر خرچ کی جاتی ہے۔ جن کا ان کو قطعی طور پر کوئی فائدہ نہیں پہنچتا۔ مثلاً فوج کے سامان پر۔ ریل قلعے اور جیل خانے بنانے پر! جن میں انہیں ہی پکڑ کر قید کر دیا جاتا ہے۔ یا اس روپے سے اُن افسروں کو تنخواہیں دی جاتی ہیں جو غریبوں سے روپیہ چھین کر لانے کا کام کرتے ہیں۔ یا جن کے ذمہ گولیاں چلانے کا کام سپرد ہے۔

یہ حال صرف روس میں ہی نہیں۔ فارس۔ ٹرکی اور ہندوستان بھی اسی مصیبت کا شکار ہیں۔ اور یہی ملک کیا۔ تمام مسیحی ممالک میں

یہی تماشا ہو رہا ہے ۔

لوگوں کا روپیہ ہے ۔ ان سے چھینا جاتا ہے ۔ اس بہانے سے کہ یہ تمہارے کام آئے گا ۔ تمہارے جان و مال کی حفاظت کریگا۔ اور خرچ کر دیا جاتا ہے ۔ غیر ضروری اور نقصان دہ چیزوں پر ۔ یا اُن لوگوں کے لئے جو پہلے ہی امیر ہیں ۔ اور غریبوں کا گلا دبا رہے ہیں ۔ یا کعبہ اور فلپائن کی لڑائیوں میں فوجوں کے کام آتا ہے ۔ اس لئے یہ کہنا کہ یہ تمام ٹیکس لوگوں کی مرضی سے جاری کئے گئے ہیں ۔ اور لوگوں سے وصول کیا ہُوا روپیہ لوگوں کے مفاد پر خرچ ہوتا ہے ۔ بالکل بے جا ہے ۔ اس میں نام کو بھی صداقت کی جھلک نہیں !

[کیا یہ انصاف ہے ۔ کہ حاجتمند اپنی ضروریات کے مطابق اُن چیزوں کا استعمال نہ کریں ۔ جو دوسروں کی ملکیت ہیں ۔]

یہ کہا جاتا ہے کہ اپنی پیدا کی ہوئی جائداد یا خریدی ہوئی چیزوں پر ملکیت ہونا ضروری ہے ۔ تاکہ کوئی دوسرا اُن پر قبضہ نہ جما سکے ۔

کیا یہ صحیح ہے ؟

اب دیکھنا یہ ہے ۔ کہ آیا اس اصول پر عمل ہوتا ہے ۔ اور اس کے کیا نتائج ہیں ؟

ہماری سوسائٹی میں دن رات برعکس واقعات دیکھنے میں آتے ہیں ۔ اور ہمیشہ اس اصول کے خلاف عمل ہوتا ہے یعنی مزدور لوگ یا کاریگر جو چیزیں محنت سے بناتے ہیں ۔ ان کا خود استعمال نہیں کر سکتے ۔ وہ دوسروں کے قبضے میں چلی جاتی ہیں ۔ اس لئے یہ کہنا ۔ کہ اپنی پیدا کی ہوئی جائداد یا حاصل کی ہوئی چیزوں پر کسی دوسرے کا

حق نہ ہونا چاہیئے - بالکل غلط ہے - کیونکہ ہم دیکھ رہے ہیں - کہ مزدور اپنی محنت کی کمائی دوسروں کے پاس فروخت کرنے پر مجبور ہو جاتے ہیں - انہیں اجازت نہیں کہ وہ اپنی محنت کا پھل کھا سکیں - ان کی چیزیں ان سے زبردستی چھین لی جاتی ہیں - جب وہ چیزیں امراء کے ہاتھ پہنچ جاتی ہیں - تو حضرت قانون نمودار ہو جاتے ہیں - اور وہ چیزیں امیروں کی جائداد میں شمار ہو جاتی ہیں - جو در اصل غریبوں سے چھینا جھپٹی کرکے وصول کی جاتی ہیں - یا چرائی جاتی ہیں +

فرض کیجیئے کہ ایک کارخانہ ہے - انصاف یہ کہتا ہے - کہ وہ کارخانہ مزدوروں اور کاریگروں کی جائداد ہونا چاہیئے - جو دن رات وہاں کام کرتے ہیں - اور طرح طرح کی چیزیں بناتے ہیں - بلکہ بعض صورتوں میں اپنی قیمتی جان تک اس کارخانے کی نذر کر دیتے ہیں - مگر ایسا نہیں ہوتا - وہ کارخانہ سرمایہ دار کی ملکیت سمجھا جاتا ہے - سرمایہ دار چار پیسوں سے سینکڑوں مزدوروں کو خرید لیتا ہے - اور مزدوروں کی قربانیاں بے معنی سمجھی جاتی ہیں +

ایک شخص سود خوار ہے - وہ کسانوں کو سود پر روپیہ دیتا ہے - کسان خون پسینہ ایک کرکے محنت سے کھیت میں غلہ پیدا کرتا ہے - جب غلہ تیار ہو جاتا ہے - تو ہزاروں من اناج سود کے روپے کے بدلے سود خوار بنئے کے ہاں پہنچ جاتا ہے - جو موجودہ قانون کے مطابق اس کی جائداد تصوّر ہوتا ہے - کہا جاتا ہے - کہ قانون سب کے لئے یکساں ہے - اگر یہ سرمایہ دار کی - کارخانہ کے مالکوں کی اور زمیندار کی حفاظت کرتا ہے - تو غریبوں - مزدوروں اور کسانوں

کے لئے بھی پشت و پناہ ہے ۔ لیکن سرمایہ دار کی اور مزدور کی حالت میں فرق ہے ۔ کہ دونوں مقابلے کے لئے میدان میں آتے ہیں ۔ سرمایہ دار کے پاس تلوار ہے ۔ اسے کوئی روک ٹوک نہیں ۔ وہ پوری آزادی سے لڑنے کے لئے آمادہ ہے ۔ مگر غریب مزدور کے دونوں ہاتھ بندھے ہوئے ہیں ۔ قانون کہتا ہے کہ میں دونوں کے لئے یکساں ہوں ۔ اور دونوں کی حمایت کے لئے تیار ! مگر یہ نہیں دیکھتا کہ ایک آزاد ہے ۔ اور دوسرا غلام ! ایک کے ہاتھ میں تلوار ہے ۔ وہ اُسے آسانی سے چلا سکتا ہے ۔ اور دوسرے کے ہاتھ پاؤں بندھے ہوئے ہیں ۔ پھر لڑائی کیا ہوگی خاک ! مزدور یقینی طور پر قتل ہو جائے گا ۔

اب آپ خود ہی اندازہ لگا لیجئے کہ موجودہ قانون ۔ انصاف ۔ سرکار اور زمانہ کہاں تک مزدوروں کا حامی ہے ۔ اور وہ موجودہ نظام کے ماتحت کس طرح پھل پھول سکتے ہیں ۔ اگر ہم سے پوچھو ۔ تو ہم یہ کہیں گے ۔ کہ موجودہ قانون غلامی کی جڑوں کو مضبوط کر رہا ہے ۔ اس قانون کے زیر اثر رہ کر غریب کبھی امیروں کے چنگل سے رہا نہیں ہو سکتے ۔ اس لئے جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ یہ روشنی کا زمانہ ہے ۔ اس میں غلامی کا عمل دخل نہیں ۔ ہم انہیں کسی طرح بھی حق بجانب نہیں ٹھیرا سکتے ۔

گزشتہ زمانے میں یہ قانون تھا کہ غلاموں کو خریدا اور بیچا جاتا تھا ۔ چنانچہ امیر لوگ غلاموں کو خرید کر ان پر بے انتہا سختیاں کرتے تھے ۔ جبر اور تشدد سے کام لیتے تھے ۔ اور بعض اوقات

جان سے بھی مروا دیتے تھے ۔ آج کل وہ قانون تو منسوخ ہو گیا ہے ۔ مگر اس کی جگہ دوسرے قانون نے لے لی ہے ۔ جس کے ماتحت ایک حاجتمند اس زمین کو استعمال نہیں کر سکتا جو دوسرے کی جائداد ہے ۔ اور خالی پڑی ہے ۔ اس قانون کے مطابق لوگوں سے زبردستی ٹیکس (جزیہ) وصول کیئے جاتے ہیں ۔ اور وہ اپنی خواہش اور ضرورت کے مطابق کوئی ایسی چیز استعمال کرنے کا حق نہیں رکھتے جو قانوناً دوسرے کی ہے ——— یہ ہے ہمارے زمانے کی غلامی !

(۱۰)

قوانین

غلامی کی وجوہات

موجودہ غلامی زمین ٹیکس اور جائداد کے قوانین میں پوشیدہ ہے ۔ اس لئے جب تک یہ قوانین منسوخ نہیں ہوتے کسی میں یہ ہمت نہیں کہ مزدوروں کی زندگی کو بہتر بنا سکے ۔

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ غریبوں سے ٹیکس وصول نہ کئے جائیں ۔ ٹیکسوں کا روپیہ امیروں سے لینا چاہیئے ۔ کیونکہ وہ دے سکتے ہیں ۔ بعض آدمی یہ رائے دیتے ہیں ۔ کہ زمین پر سے ملکیت کے حقوق اڑا دیئے جائیں ۔ چنانچہ نیوزی لینڈ اور امریکہ کی ایک ریاست میں اس کا تجربہ ہو رہا ہے اور آئرلینڈ میں بھی

آواز اُٹھائی جارہی ہے۔ کہ زمینداروں کے حقوق کی کوئی حد ہونی چاہیئے۔ سوشلسٹ کہتے ہیں کہ کارخانوں میں سرمایہ داروں اور مزدوروں کے مساوی حقوق ہونے چاہئیں۔ امیروں کی آمدنی اور جائداد پر ٹیکس لگنا چاہیئے۔ اور سرمایہ داروں کے حقوق میں تخفیف کرنی ضروری ہے۔ یہ ماننا پڑے گا کہ موجودہ زمانے میں یہ کوشش ہورہی ہے کہ قوانین میں خاطر خواہ تبدیلی کردی جائے۔ اِس لئے ہمیں اُمید کرنی چاہیئے کہ وہ قوانین جن کی وجہ سے غلامی کا رواج ملک میں ترقی پکڑ رہا ہے۔ منسوخ ہوجائیں گے۔ مگر جس طریقے پر کہ اُن قوانین کو منسوخ کرانے کی کوششیں ہو رہی ہیں۔ اور جو تدبیریں بتائی جارہی ہیں۔ اگر وہ عمل میں لائی گئیں۔ تو خوف ہے کہ غلامی کا رواج دُور کرتے کرتے مزدوروں کی زنجیریں کہیں اور بھی سخت نہ ہوجائیں جو لوگ یہ کہتے ہیں۔ کہ ٹیکسوں کا بوجھ غریبوں کے کندھوں سے اُتار کر امیروں کے کندھوں پر ڈال دینا چاہیئے۔ وہ حق وراثت اور جائداد کے حقوق جوں کے توں قائم رکھنا چاہتے ہیں۔ ورنہ امیر ٹیکس کس چیز کا دینگے۔ اس کا مطلب یہ ہؤا۔ کہ اگر حق وراثت کا قانون منسوخ نہ ہو۔ تو مزدوروں کے ہاتھ اور پاؤں اسی طرح بندھے رہیں گے۔ انہیں امیروں کے غلام بنے بغیر روزی نصیب نہ ہوگی جو لوگ ہنری جارج کے ہمخیال ہیں۔ وہ یہ کہتے ہیں۔ کہ زمین پر حق ملکیت تو اُڑا دیا جائے۔ مگر جس قدر زمین کوئی شخص استعمال کرے۔ اُس سے ایک خاص رقم بطور کرایہ وصول کی جائے۔ جو ہمارے خیال میں پھر غلامی کے لئے راستے کھول دے گی کیونکہ

اگر ایک شخص کو لازمی طور پر زمین کا کرایہ ادا کرنا ہے۔ اور اتفاق سے ایک سال اس کی فصل نہیں ہوتی۔ تو وہ کرایہ کی رقم ادا کرنے کے لئے کسی سود خوار سے روپیہ اُدھار لے گا۔ جب تک اس کا وہ روپیہ ادا نہ ہو جائے۔ اُسے سود خوار کا غلام بن کر رہنا پڑے گا۔ سوشلسٹ یہ کہتے ہیں۔ کہ زمین سے ملکیت کا حق اُڑا دو۔ پیداوار کی پابندیاں دور کر دو۔ لیکن وہ ٹیکس کی وصولی کی حمایت کرتے ہیں۔ لیکن وہ نہیں جانتے۔ کہ اس کے ساتھ ہی اُنہیں کوئی ایسا قانون بھی مرتب کرنا پڑے گا جس کے مطابق ہر ایک کے لئے محنت کرنا ضروری ہوگا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ غلامی کا ایک طریقہ دور کر کے دوسرا ایجاد کرنا چاہتے ہیں۔

یہ تو وہی بات ہوئی کہ ایک جیلر قیدی کے ہاتھ اور پاؤں سے بیڑی اور ہتھکڑی نکال لے۔ مگر اس کی کوٹھڑی میں سلاخیں لگا دے اور دروازے پر ایک مضبوط آہنی تالا۔ تاکہ وہ بھاگ نہ سکے۔ ابھی تک مزدوروں کی بہتری کے لئے جو طریقے اختیار کئے گئے ہیں۔ وہ اس سے ملتے جلتے ہیں۔

وہ بھی دن تھے جب آقا غلاموں سے اُس زمانے کے قوانین کے مطابق زبردستی کام لیتے تھے۔ لیکن وہ قوانین آہستہ آہستہ اُڑا دئے گئے۔ اور اُن کی جگہ ملکیت کے قانون نے لے لی ہے۔ جس کے مطابق زمین امیروں نے سنبھال لی۔ اور غریب ہاتھ ملتے رہ گئے۔

اب اگر ملکیت کا سوال اُڑ جائے اور اس کی جگہ ٹیکس کا

قانون رائج ہو جائے۔ تو پھر بھی غریبوں کی حالت سدھر نہیں سکتی۔ اور اگر سوشلسٹ عقیدے کے مطابق زمین کی ملکیت کا معمّا حل ہو جائے۔ کارخانوں پر مزدوروں کے مساوی حقوق ہو جائیں۔ پیداوار کی پابندیاں اُڑا دی جائیں۔ مزدوروں کو آزادی دے دی جائے۔ تو پھر بھی نئے قوانین کے مطابق لوگوں کو زبردستی کام کرنا پڑیگا۔ اور یہ بھی ایک قسم کی غلامی ہوگی ❊

اس کا مطلب یہ ہے کہ مذکورہ قوانین میں سے کسی کو منسوخ یا رائج کرنے سے غلامی کا خاتمہ نہیں ہوتا۔ صرف صورت تبدیل ہو جائے گی۔ جس طرح کہ گزشتہ زمانے میں ہوا۔ اگر غلامی کے مذکورہ بالا تمام قوانین کو منسوخ کردیا جائے۔ تو بھی غلامی کا انسداد نہیں ہوگا۔ بلکہ غلامی کی ایک نئی صورت پیدا ہو جائے گی۔ جو ابھی تک مفقود تھی۔ یعنی محنت مزدوری پر قانوناً پابندیاں عاید ہو جائینگی۔ ملازمت دیتے وقت مزدوروں کی عمر اور صحت کا جائزہ لیا جایا کرے گا۔ اسکولوں میں جانا ضروری تصوّر ہوگا۔ اور ان کی تنخواہ سے زبردستی انشورینس کا روپیہ کاٹا جائے گا ——— آپ سمجھے ہیں یہ کیا ہے؟ غلامی کی کمر پر تھپکی دینے کے لئے نیا قانون ——— جو ابھی تک تجربے میں نہ آیا تھا ❊

پس یہ ظاہر ہوگیا کہ غلامی کا راز مروّجہ قانون میں چھپا ہوا نہیں۔ اور جب تک اہل حکومت کے ہاتھ میں نئے قوانین نافذ کرنے کی طاقت ہے۔ اور اپنے فواید کو مدّ نظر رکھ کر قوانین بنانے رہیں گے۔ غلامی کا انسداد ناممکن ہے ❊

گزشتہ زمانے میں لوگوں کے لئے زر خرید غلام رکھنا مفید تھا۔ اس لئے اُنہوں نے ویسے ہی قانون بنا دئے۔ کچھ عرصہ بعد زمین کی خریداری۔ ٹیکسوں کے وصول کرنے۔ اور اپنی ضروریات کے مطابق چیزوں پر حقِّ ملکیت قائم رکھنے میں فائدہ نظر آیا۔ چنانچہ ویسے ہی قانون بن گئے موجودہ زمانے میں محنت مزدوری اور کام کی تقسیم پر زور دیا جارہا ہے۔ کیونکہ اسی میں انہیں بھلائی نظر آتی ہے۔ اس لئے وہ اس قسم کے قانون بنوانے کے درپے ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ جب تک قانونی ٹکسال میں قانون بنتے رہیں گے اور اہل حکومت خودغرضی کو نہ چھوڑیں گے غلامی اسی طرح برقرار رہے گی۔

اب سوال پیدا ہوتا ہے۔ کہ یہ قانون سازی کیا بلا ہے؟ اور وہ کون سی چیز ہے۔ جو لوگوں کو نیئے قانون نافذ کرنے میں مدد دیتی ہے؟

(۱۱)

قوانین اور تشدّد

یہ سوال ٹیڑھا ہے۔ اور اس سوال کے حل کرنے کے لئے لاکھوں کتابیں لکھی جاچکی ہیں۔ لیکن ہر ایک کتاب دوسری سے مختلف ہے۔ اور ایک دوسرے کے دلائل کو رد کرتی ہے۔ تمام کتابیں پڑھ کر بھی اس سوال کا صحیح جواب نہیں ملتا۔ کہ قانون سازی کیا چیز ہے؟

سائنس کے مطابق ایک قانون دوسرے معنوں میں خلق خدا کی آواز ہے۔ لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ ان قوانین کو توڑنے والے ان پر عمل کرنے والوں کی نسبت زیادہ ہیں۔ اس لئے انہیں خلق خدا کی آواز نہیں کہا جا سکتا۔

مثال کے طور پر کئی قوانین پیش کئے جا سکتے ہیں۔ مثلاً قانون ہے کہ تار گھر یا ڈاک خانہ کو نقصان پہنچانا جرم ہے۔ خاص آدمیوں کی عزت کرنا ضروری ہے۔ فوج میں نوکری کرنا ہر شخص کا دھرم ہے۔ یا جیوری میں بننا لازمی ہے۔ یا خاص خاص چیزوں کا ملک کی حد سے باہر لے جانا جرم ہے۔ اور اس کی سزا ملتی ہے یہ سب مروجہ قانون ہیں۔ اور کسی قدر پیچیدہ! خدا معلوم کن اغراض کو مدنظر رکھ کر کن لوگوں نے انہیں جاری کیا۔ اور جہاں تک ہمیں علم ہے۔ کسی کے جاری کرنے میں بھی عام پبلک کی رائے نہیں لی گئی۔ اور پھر لطف یہ کہ اُن پر سختی سے عمل کروایا جاتا ہے۔ اگر کوئی شخص ان قوانین کی پابندی نہ کرے۔ تو فوراً پولیس آجائیگی۔ اور اس شخص کو مجرم گردان کر گرفتار کر لے گی۔ گورنمنٹ اس پر مقدمہ چلائے گی۔ اور عدالت اُسے سزا دے گی۔ وہ سزا اتنی سخت ہوگی۔ کہ بعض حالتوں میں اُسے پھانسی کے تختہ پر بھی چڑھا دیا جائیگا۔

اسی طرح اگر کوئی شخص ٹیکس ادا کرنے سے انکار کر دے گا۔ مسلّح پولیس اُسے آکر گھیر لے گی۔ اور اس سے ٹیکس وصول کرنے کی کوشش کرے گی۔ اگر وہ کچھ بھی مزاحمت کرے گا۔ لاٹھیوں سے اس کی مرمّت ہوگی۔ جسے جیلخانہ میں ڈال دیا جائے گا۔ اور اُسے

سزا ملے گی۔ اسی طرح اُس شخص کا بھی یہی حشر ہوگا۔ جو دوسرے کی زمین دبانے کی کوشش کرے گا۔ اور یہی حالت اُس شخص کی ہوگی۔ جو اپنی ضروریات سے مجبور ہو کر اُن چیزوں کا استعمال کرے گا۔ جو اس کی اپنی نہیں ہیں۔ اسی وقت مسلح فوج آجائے گی اور مقابلہ کرنے کی صورت میں اُسے مار پیٹ کر گرفتار کر لے گی۔ اور یہی سلوک اُس شخص کے ساتھ ہوگا۔ جو صاحب کو سلام نہیں کرے گا۔ یا جبریہ بھرتی سے انکار کر دے گا ؛

مروّجہ قوانین میں سے کسی ایک کو توڑنے پر بھی سزا ملتی ہے۔ اور سزا دیتا کون ہے؟ وہ جنھوں نے قانون بنائے ہیں۔ جن کے ہاتھ میں حکومت اور طاقت ہے۔ وہ اپنی طاقت کو استعمال میں لا کر پھانسی تک کی سزا دے سکتے ہیں ؛

ظاہر تو یہ کیا جاتا ہے کہ قانون لوگوں کی مرضی کے مطابق بنائے جاتے ہیں۔ مگر کون نہیں جانتا۔ کہ غلام ممالک تو ایک طرف رہے۔ آزاد ملکوں انگلینڈ۔ امریکہ۔ فرانس وغیرہ میں بھی قوانین پبلک رائے کو مدنظر رکھ کر ساخت نہیں کئے جاتے۔ بلکہ اُن لوگوں کی رائے لی جاتی ہے۔ جن کے ہاتھ میں طاقت اور روپیہ ہے۔ چنانچہ وہ لوگ اس قسم کی رائے دیتے ہیں۔ جس میں اُن کا فائدہ ہو۔ اور آپ دیکھیں گے۔ کہ تمام قوانین ایسے ہیں۔ جن پر عملدرآمد کرنے سے اہل ثروت کے ہاتھ اور بھی مضبوط ہوتے ہیں۔ اور جو لوگ ان قوانین کو توڑنے کی کوشش کرتے ہیں۔ انھیں جسمانی ایذا دی جاتی ہے۔ انھیں بیت مارے جاتے ہیں۔ ان کی آزادی

چھین کر انہیں تنگ و تاریک قید خانے میں بند کر دیا جاتا ہے۔ اور قتل کر دیا جاتا ہے ٭

چونکہ حکومت کے خود ساختہ قوانین پبلک کی مرضی کے مطابق نہیں ہوتے۔ اس لئے ہر ایک شخص انہیں ہنسی خوشی قبول نہیں کرتا۔ لیکن سزا کے خوف سے ان پر مجبوراً عمل کرنا پڑتا ہے۔ اگر ذرا بھی حیل و حجت کریں۔ یا مین میکھ نکالیں۔ تو جان کی خیر نہیں۔ حکومت کے پاس قوانین پر عمل کروانے کے لئے طاقت کا مظاہرہ کرنے کے سوا چارہ ہی کیا ہے۔ جہاں ایک قانون رائج ہے۔ اور پبلک کی مرضی کے مطابق نہیں تو اس پر عمل کروانے کے لئے طاقت کا استعمال لازمی اور ضروری ہے۔ اور وہ طاقت کونسی ہے۔ جس سے ڈر کر لوگ حکومت کے بنائے ہوئے قوانین پر عمل کرنے کے لئے مجبور ہو جاتے ہیں ——— وہ فوج کی طاقت ہے۔ پولیس کی طاقت ہے۔ اور ہتھیاروں کی طاقت ہے۔ یہ معمولی طاقت نہیں۔ جو عام لوگ جوش میں آکر ایک دوسرے پر استعمال کرتے ہیں۔ یہ سرکاری طاقت ہے۔ جو نہایت زبردست ہے ٭

اب آپ بخوبی سمجھ گئے ہوں گے۔ کہ یہ قانون ساری کیا چیز ہے؟ عام پبلک کی رائے۔ یا غریبوں کے حقوق کی حمایت کا نام قانون ہیں۔ قانون ایک ایسی چیز ہے۔ جو خود غرض۔ لالچی اور طاقتور لوگ غریبوں پر ظلم کرنے کے لئے اپنی خواہش اور ضروریات کے مطابق مرتب کرتے ہیں۔ اور اپنی طاقت دکھا کر

لوگوں کو مجبور کرتے ہیں کہ وہ ان پر عمل کریں۔ اس لئے قانون سازی کی صحیح اور درست تعریف یہ ہوئی۔ کہ قوانین اُن قواعد کا نام ہے جو اہل حکومت اپنی مرضی سے خود مرتب کرتے ہیں۔ اور اپنی طاقت کے ذریعے لوگوں سے اُن پر عمل کرواتے ہیں۔ اور جو عمل نہیں کرتے انہیں سخت سزا دی جاتی ہے۔ بلکہ بعض اوقات ان کی جان تک نکال دی جاتی ہے۔

یہ تعریف قانون سازی کے پیچیدہ عقدے کو بخوبی حل کر دیتی ہے۔ جو چیز اہل حکومت کے دماغ میں گھُس کر ان سے نت نئے قانون بنواتی ہے۔ وہی ظاہر ہو کر عام لوگوں کو اُن پر عمل کرنے کے لئے بھی مجبور کرتی ہے۔ اور وہ طاقت اور ثروت کا اجتماع ہے۔

(۱۲)

گورنمنٹ کیا چیز ہے؟

یہ تو ثابت ہوگیا کہ مزدوروں کی ابتر حالت کی بڑی وجہ غلامی قوانین سازی سے پیدا ہوتی ہے۔ اور قانون سازی کا دارو مدار دولت اور طاقت پر ہے۔

اس لئے جب تک طاقتور غریبوں پر اپنی طاقت کا استعمال کرنا نہ چھوڑیں گے۔ غلامی کا قلع قمع نہیں ہوسکتا۔ لیکن طاقت کا انحصار گورنمنٹ پر ہے۔ اور ہم گورنمنٹ کے بغیر زندہ کیسے رہ سکتے ہیں؟ اگر حکومت نہ ہوگی تو تمام دُنیا میں کھلبلی مچ جائے گی۔

انارکسٹوں کا زور ہو جائے گا۔ چوروں اور ڈاکوؤں کی چڑھ بنے گی۔ کسی کی عزت محفوظ نہ رہے گی۔ تہذیب اور تدبر کا دیوالہ نکل جائیگا۔
اس لئے گورنمنٹ کا وجود ضروری ہے۔ نہ صرف اُن کے لئے جنہیں موجودہ قوانین سے فائدہ پہنچ رہا ہے۔ بلکہ اُن کے لئے بھی جو اکثر حکومت کے زیر عتاب رہتے ہیں۔ کیونکہ وہ خود نہیں جانتے کہ گورنمنٹ کے بغیر کس طرح گزارہ ہو سکتا ہے۔ اگر گورنمنٹ تباہ ہو جائے۔ تو لوگ خود بخود تباہ ہو جائیں گے۔ چوری۔ فساد۔ قتل اور غارت گری کا بازار گرم ہو جائے گا۔ حکومت لچے لفنگوں کے ہاتھ آجائے گی۔ جو تمام رعایا کو اپنا ملازم بنالیں گے۔ ہم مانتے ہیں کہ یہ سب کچھ ہوگا۔ مگر دیکھنا تو یہ ہے کہ کیا موجودہ نظام کے ماتحت چوری نہیں ہوتی۔ فساد نہیں ہوتے؟ اور لوگوں کو دن دہاڑے قتل نہیں کیا جاتا؟ جب سب کچھ ہوتا ہے۔ تو پھر اس حکومت اور دوسری حکومت میں کیا فرق رہا؟

ہم مانتے ہیں کہ اگر موجودہ نظام کو تبدیل کرنے کی کوشش کی جائے تو انقلاب پیدا ہو جائے گا۔

موجودہ حکومت ایک اونچی اور سیدھی دیوار کی مانند ہے۔ جس میں ہزاروں اینٹیں چُنی ہوئی ہیں۔ اس میں سے ایک اینٹ کو نکال دو۔ تمام دیوار گر پڑے گی۔ جس کا مطلب یہ ہے۔ کہ دیوار کچی بنی ہوئی ہے۔ اور یہ ایک زبردست نقص ہے۔ کہ ایک اینٹ کو چھوتے ہی تمام دیوار گر جائے۔ اس سے تو یہ معلوم ہوتا کہ اینٹیں لگانے میں اچھا مصالحہ استعمال نہیں کیا گیا۔ اور انہیں

ٹھیک طور سے نہیں چُنا گیا۔ انہیں ایسے طریقے سے رکھنی چاہیئے تھیں کہ ایک اینٹ کے نکالنے سے دیوار کو ذرا بھی نقصان نہ پہنچتا۔ تب تو بہادری تھی اور کاریگری! اگر ایک اینٹ کے نکالنے سے نظام کی دیوار گر پڑتی ہے۔ تو سمجھو ریت کی دیوار ہے۔ اور مضبوط نہیں۔ بعینہ یہی حال موجودہ حکومت کا ہے۔ موجودہ نظام بالکل مصنوعی اور غیر تسلی بخش ہے۔ اور اگر یہ ایک دھکّے سے بگڑ سکتا ہے۔ تو یہ سمجھنا چاہیئے کہ یہ پھر کمزور ہے۔ اور آج کل کے لوگوں کو اس کی ضرورت نہیں۔ بلکہ ان کے لئے نقصان دِہ ثابت ہوگا۔ یہ نظام نقصان دہ اس لئے ہے کہ اس کا وجود موجودہ بُرائیوں کو دُور نہیں کر سکتا۔ بلکہ ان برائیوں کی جڑیں اور مضبوط ہوتی ہیں۔

جن ممالک میں طاقت کے ذریعے حکومت کی جارہی ہے اور جہاں لوگوں کی بیرونی حالت اچھی نظر آتی ہے۔ وہاں سمجھ لو کہ آنکھوں کو دھوکا دیا جارہا ہے۔ وہاں پر بھوکے۔ ننگے مصیبت زدہ اور غریب لوگوں کو عوام کی نگاہوں سے چھپایا جاتا ہے۔ اُن کی آواز کو دبایا جاتا ہے تاکہ کوئی سن نہ لے۔ اگر ہماری آنکھیں انہیں دیکھ نہیں سکتیں۔ تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ موجود ہی نہیں ہیں۔ بلکہ انہیں عوام کی نگاہوں سے چھپانا یہ ظاہر کرتا ہے کہ دال میں کچھ کالا ہے۔ اور انہیں اس لئے چھپایا جارہا ہے کہ لوگوں کو یہ معلوم نہ ہوسکے۔ کہ وہ کس قدر مصیبت میں مبتلا ہیں۔ اگر موجودہ نظام میں تبدیلی پیدا کرنے کی کوشش کرتے وقت کچھ ابتری پھیلتی ہوئی نظر آتی ہے۔

تو وہ صرف اس لئے کہ مصیبت زدہ ہستیاں جنہیں حکومت نے پردے کے پیچھے چھپا رکھا تھا۔ لوگوں کے سامنے آ جاتی ہیں۔ آنکھیں اُنہیں دیکھ لیتی ہیں۔ کان اُن دردناک آواز کو سُن لیتے ہیں۔ جس سے بعض کے دل میں خیال پیدا ہو جاتا ہے کہ نظام میں تبدیلی کی وجہ سے گڑبڑ ہو گئی ہے۔

اُنیسویں صدی کے اخیر لوگوں کے دلوں میں یہ خیال جاگزین تھا۔ کہ گورنمنٹ کے بغیر دنیا میں امن قائم نہیں رہ سکتا۔ لیکن زندگی میں سینکڑوں تبدیلیاں آتی ہیں۔ خیالات بدلتے ہیں۔ اور حالات پلٹا کھا جاتے۔ گورنمنٹ نے بہتیرا چاہا کہ عوام کو بچوں کی طرح قابو میں رکھ سکے انہیں ہوش نہ آنے دے۔ مگر جوں جوں سِن بلوغت شروع ہوا لوگوں کو عقل آ گئی۔ اب انہیں اپنی اصلی حالت کا پتہ لگ گیا ہے۔

لوگوں کے نمایندے حکومت سے یہ کہتے ہوئے سُنے جاتے ہیں کہ جناب! آپ تو کہتے ہیں کہ ہمسایہ حکومتیں ہمیں چین نہیں لینے دیتیں۔ لیکن جب ہم اخبار پڑھتے ہیں۔ تو اس کے برعکس حالات روشنی میں آتے ہیں۔ ہمیں اخباروں سے معلوم ہوتا ہے کہ کوئی بھی ہم پر حملے کی تیاریاں نہیں کر رہا۔ بلکہ تم اپنی خود غرضی کو مدِ نظر رکھ کر ہم پر حکومت کر رہے ہو۔ تمہیں اپنا فائدہ مدِ نظر ہے۔ تم اپنے جنگی بیڑے کی وجہ سے ہم پر ٹیکس لگاتے ہو۔ اپنی فوج اپنا گولہ بارود اور اپنی خواہشات پُورا کرنے کے لئے تم لوگوں کو تنگ کرتے ہو۔ دوسرے ملکوں سے دشمنی مول لیتے ہو۔ جیسے چین پر چڑھائی کر دی

ہے۔ تم کہتے ہو کہ ہم تمہاری جائداد کی حفاظت کرتے ہیں۔ مگر سچ یہ ہے کہ ہماری تمام جائداد ہمارے ہاتھوں سے نکل کر بنکوں یا امیروں کے ہاتھوں میں چلی گئی ہے۔ جو قطعی طور پر زمین پر محنت نہیں کرتے۔ لیکن اس کا پورا پورا فائدہ اٹھاتے ہیں۔ تمہارے مروّجہ قوانین ہم سے ہماری زمین چھین کر امیروں کو دے رہے ہیں۔ تم کہتے ہو کہ تمہارے راج میں ہر ایک کو اس کی محنت کا پھل ملتا ہے۔ مگر ہوتا برعکس ہے۔ جو غریب اور بیکس لوگ محنت کرتے ہیں انہیں محنت کا پھل ملنا تو کجا رہا۔ بیچارے ساری عمر تڑپ تڑپ کر غلامی میں بسر کر دیتے ہیں۔

انیسویں صدی کے اخیر میں اس قسم کے خیالات لوگوں کے دلوں میں آنے شروع ہوئے۔ اور ان میں بتدریج ترقی ہوتی گئی اور گزشتہ پانچ چھ سال میں تو تمام یورپ اور اس کے لوگوں میں خواہ وہ شہری ہیں یا دیہاتی ایک آگ سی سلگ اٹھی ہے۔

کہا جاتا ہے کہ گورنمنٹ کے بغیر اتنی ترقی نہیں ہو سکتی۔ اتنی تعلیم۔ اتنے انسٹی ٹیوشن اور سائنس، کے ہوش رُبا کرشمے کہاں دیکھنے میں آئیں گے؟

لیکن سوال یہ ہے کہ ہم یہ فرض ہی کیوں کریں جب گورنمنٹ کے مٹھی بھر آدمی تمام رعایا کا خیال رکھ سکتے ہیں۔ تو کیا وجہ ہے۔ کہ ہر شخص اپنی اور اپنے کنبے کی حفاظت نہیں کر سکتا۔

ہمارے خیال میں لوگوں میں اتنی قابلیت آگئی ہے کہ وہ اپنے گھر کا بندوبست خود کریں۔ بلکہ ان کا اپنا بندوبست گورنمنٹ کے

بندوبست سے لازمی طور پر بہتر ہوگا ۔ لوگ اپنی سبھائیں قائم کرتے ہیں ۔سوسائٹیاں بناتے ہیں ۔ ریلوے کمپنیاں بناکر ٹھیکے لیتے ہیں اپنے کاروبار کو بڑی بڑی فرموں کے ذریعے فروغ دیتے ہیں ۔ جب لوگ یہ تمام کام حسن و خوبی سے سرانجام دے سکتے ہیں ۔ تو کوئی وجہ نہیں کہ وہ ملکی انتظام میں ناکارہ ثابت ہوں ۔ اگر رفاہ عام کے کاموں کے لئے روپے کی ضرورت پیش آئے ۔ تو ہم یہ کیوں فرض کریں ۔کہ لوگ قانون کی مدد کے بغیر نہیں کر سکتے ۔ اگر لوگوں کے ذہن نشین کرادیا جائے ۔کہ ان کا روپیہ واقعی بھلے کاموں میں صرف ہوگا ۔ تو وہ کبھی دینے سے انکار نہیں کریں گے ۔بلکہ خوشی سے خواہش سے اور سچے دل سے دیں گے ۔ یہ فرض کرنا بھی کہ طاقت کے بغیر عدالتیں قائم نہیں رہ سکتیں غلطی ہے ۔ اگر لوگوں کی وہی عدالتیں ہوں گی اور وہ فیصلہ کریں گی تو لوگ اُسے خوشی سے قبول کریں گے ۔ پنچایت سسٹم کوئی نئی چیز نہیں ۔بہت مُدت سے جاری رہا ہے ۔ اور اب بھی بعض بعض جگہ گاؤں میں جاری ہے ۔ اس میں طاقت کے استعمال کی قطعی ضرورت نہیں ۔ صدیوں کی غلامی نے ہمیں اتنا نکما بنادیا ہے ۔ کہ ہم لوگ یہ سمجھنے لگ گئے ہیں کہ طاقت استعمال کئے بغیر حکومت کام نہیں کر سکتی ۔ لیکن یہ غلط ہے ۔ روس میں اب بھی ایسے علاقے موجود ہیں ۔ جو دُور دراز میں بسے ہوئے ہیں ۔ وہ پولیس کی دستبرد سے باہر ہیں ۔ وہاں پر لوگوں کی اپنی حکومت ہے ۔ اپنے ٹیکس ۔ اپنی عدالتیں ۔اور اپنی پولیس ہے ۔ اور لوگ مزے سے اپنے دن بسر کرتے ہیں ۔ اگر لوگوں کی اپنی حکومت ہوجائے ۔ تو کوئی وجہ

نہیں کہ وہ زمین کا دقیق مسئلہ بھی خود حل نہ کر لیں ۔

روس میں ایک کاسک نام کا فرقہ تھا۔ وہ بڑے بے پروا لوگ تھے ۔ اور زمین پر ملکیت کا حق نہ مانتے تھے۔ لیکن اس کے باوجود اس قدر خوش حال اور فارغ البال تھے کہ آج کل کے لوگ کیا ہونگے! گورنمنٹ صرف لوگوں کے حقوق کی حفاظت کرنے کا دعوٰی کرتی ہے۔ لیکن غلط ! طاقت کے ذریعے سے زمین کے معاملوں کو سلجھانا کیا اُلجھانا جانتی ہے ۔ روز بروز زمینوں اور جائداد کے جھگڑے بڑھ رہے ہیں ۔ کیونکہ لوگ جانتے ہیں کہ خواہ ہم کیسے ہی جھوٹے کیوں نہ ہوں۔ روپے اور طاقت کے ذریعے عدالت کے انصاف پر پردہ ڈال سکتے ہیں ۔

اگر زمین پر ملکیت کے حق کا سوال نہ ہوتا ۔ تو لوگ تنگ و تاریک کوچوں میں چھوٹے چھوٹے مکان بنا کر کیوں رہتے ۔ جب باہر ہزاروں کوس زمین بے کار پڑی سڑ رہی ہے ۔ بلکہ اس صورت میں کھلی ہوا میں باہر ہوادار بنا کر رہتے ۔ اور اپنی زندگی کو خوشگوار بنا لیتے ۔ لیکن ملکیت کے سوال نے معاملہ چوپٹ کر دیا ہے ۔ اور آئے دن جھگڑے بکھیڑے ہوتے رہتے ہیں۔ لوگ قانون کے ہتھیاروں سے لڑتے ہیں ۔ اور اپنے آپ کو تباہ کر لیتے ہیں۔ ان جھگڑوں میں فتح کس کو نصیب ہوتی ہے ؟ محنتی مزدور کو نہیں ۔ جو بیچارہ دن بھر کھیت میں کام کرتا ہے ۔ بلکہ اُس ظالم امیر کو ۔ جو کرنا دھرتا کچھ نہیں ۔ لیکن گھر بیٹھا ہوُا طاقت اور روپے کے زور سے غریبوں کا خون نچوڑ لیتا ہے ۔

اگر ایک چیز کسی نے محنت سے تیار کی ہے۔ تو اُسے آزاد ملک میں قانون کی حمایت میں جانے کی ضرورت نہیں۔ لوگ اس کی حمایت کریں گے۔ انصاف اس کی حمایت کرے گا۔ اور ضمیر کی آواز اس کو مدد دے گی۔ وہاں پر طاقت کے استعمال کی کیا ضرورت ہے؟

ایک شخص کے ہزاروں بیگھے زمین جس میں جنگل ہی جنگل بھرا پڑا ہے۔ موجود ہے۔ لیکن پاس ہی ہزاروں آدمی ایسے بستے ہیں۔ جن کے چولھے میں ایندھن نہ ہونے کی وجہ سے آنچ تک نہیں جلتی اس طرح ایک شخص کے پاس گیہوں کے کوٹھے بھرے پڑے ہیں اور لوگ بھوکے مر رہے ہیں۔ وہ لالچی شخص اسی تاک میں ہے کہ اناج کا نرخ تیز ہو۔ تو بیچوں۔ اُسے اپنے بھائیوں کے ساتھ کوئی ہمدردی نہیں۔ لیکن آزاد ملک میں ایسا نہیں ہوگا۔ امیروں کو موقع نہیں ملے گا۔ کہ وہ بغیر ہاتھ پاؤں ہلائے۔ اناج جمع کریں۔ اور جب سب لوگ اپنی ضروریات کے مطابق خود کاشت کریں گے۔ تو انہیں ضرورت ہی کیوں پڑے گی۔ کہ وہ کسی کے دست نگر ہوں۔ اور اگر کوئی شخص زبردستی دوسرے کی تیار کی ہوئی چیز چھیننے کی کوشش کرے گا تو گرد و نواح میں رہنے والے تمام لوگ اس کے برخلاف ہو جائیں گے۔ اور اس کے اس فعل کی مذمّت کریں گے۔ اگر آزاد ملک میں بھی کوئی شخص ایسے فعل کا مرتکب ہوتا ہے۔ تو سمجھ لو کہ وہ گیا گزرا شخص ہے۔ اور جب قانون اس کی امداد پر ہو۔ تو پھر وہ جو کرے تھوڑا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ اگر زمین سے حقوق ملکیت اُڑا دئے جائیں اور یہ اجازت ہو جائے۔ کہ ہر چیز جو

ایک کاریگر پیدا کرتا ہے۔ یا تیار کرتا ہے اس کی اپنی ہے۔ تو لوگ محنت کے عادی نہ رہیں گے۔ کیونکہ انہیں یہ خیال ہو جائے گا کہ اپنے ہی پیٹ کے لئے تو کمانا ہے کسی کا قرض تھوڑا ہی دینا ہے۔

لیکن ہم اس کے برعکس کہیں گے۔ اگر موجودہ حقوق ملکیت اسی طرح رائج رہے اور اس طرح قانون کے ذریعے ان کی حفاظت کی گئی۔ تو لوگوں کے ضمیر کی آواز بالکل مُردہ ہو جائے گی۔ اور وہ انصاف کی کچھ پروا نہ کریں گے۔ اور یہی نہیں بلکہ جائداد کے متعلق جو ہر انسان کا قدرتی حق ہے۔ وہ ٹیڑھے ٹیڑھے قوانین کی وجہ سے زائل ہو جائیگا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ آہستہ آہستہ انسانیت کا قطعی طور پر خاتمہ ہو جائیگا۔

چنانچہ یہ ثابت ہو گیا کہ لوگ سرکاری قوانین کے بغیر بھی زندہ رہ سکتے ہیں۔ اور زندگی بہتر ین طریق پر بسر کر سکتے ہیں۔ یہ قوانین عوام کے لئے کچھ زیادہ مفید نہیں۔

یہ ہم مانتے ہیں کہ گھوڑے اور بیلوں کی غور و پرداخت کے لئے انسان کی ضرورت ہے۔ لیکن انسان کی راہ نمائی انسان کیا کریگا جب دونوں انسان ہیں۔ دونوں کا دماغ ہے۔ عقل ہے۔ آنکھیں ہیں۔ اور ہاتھ پاؤں ہیں۔ انسان کی نگہداشت کے لئے قدرت موجود ہے۔ جو ہر ایک کی حفاظت کرتی ہے۔ کیا یہ ظلم نہیں کہ انسان دوسرے انسان کو کچھ عرصے تک قابو رکھنے کے لئے اس قسم کے قوانین بناتا ہے۔ تاکہ وہ اس کا غلام بن کر رہے جب دونوں انسان ہیں۔ تو دونوں کے حقوق بھی برابر ہونے چاہئیں۔ وہ کونسی چیز ہے۔ جو یہ ثابت کرتی ہے کہ حکومت

کرنے والے محکوموں سے زیادہ عقلمند ہیں؟ جو لوگ غریبوں کے ساتھ جو انسان ہیں۔ اور ان کے اپنے بھائی! سختی کا برتاؤ کرتے ہیں۔ یا ظلم کرتے ہیں۔ در اصل یہ ثابت کرتے ہیں کہ ان میں نام کو بھی انسانیت نہیں رہی۔ ان کی عقل ماری گئی ہے۔ اور وہ انسان سے حیوان بن گئے ہیں۔ طاقت حاصل کرنے کی وہی لوگ کوشش کرتے ہیں جن کی اخلاقی حس مردہ ہو جاتی ہے۔

یہ کہا جاتا ہے کہ لوگ گورنمنٹ کے بغیر کس طرح زندہ رہ سکتے ہیں؟ لیکن ہم پوچھتے ہیں۔ یہ امیر لوگ جن کی زندگی ہی ظلم و ستم پر مبنی ہے کس طرح زندہ رہنے کا حق رکھتے ہیں۔

پہلے یہ طے کرنے کی ضرورت ہے کہ لوگ معقولیت پسند ہیں یا نہیں۔ اگر انہیں جاہل مطلق اور غیر معقول جان لیا جائے۔ تو پھر ہر ایک امیر کے تصنع کے لئے طاقت کے استعمال کی ضرورت ہے۔ اگر یہ بات تسلیم کر لی جائے۔ تو کوئی وجہ نہیں کہ چند آدمیوں کو طاقت کے استعمال کی اجازت ہو۔ اور باقی بیکس بنا دئے جائیں۔ تو اس صورت میں گورنمنٹ کو بھی طاقت کے استعمال کا کوئی حق نہیں رہتا۔ اور اگر انسان کو معقولیت پسند سمجھ لیا جائے۔ تو پھر تمام باتوں کا تصفیہ دلائل اور عقل کے مطابق ہونا چاہیئے۔ نہ کہ طاقت کے مظاہرے سے۔ اس حالت میں گورنمنٹ کو بھی کوئی اختیار نہیں رہتا۔ کہ وہ کس پر اپنی طاقت کا استعمال کرے۔

---

(۱۴)

گورنمنٹ کی ہستی

یہ ثابت ہوگیا ہے کہ غلامی قوانین کی پابندی کرنے سے پیدا ہوتی ہے۔ قوانین گورنمنٹ بناتی ہے۔ اور اس لئے اگر گورنمنٹ نہ رہے۔ تو دُنیا سے غلامی کا خاتمہ ہوجائے گا۔

لیکن گورنمنٹ کا صفحۂ ہستی سے مٹ جانا بھی تو ناممکن سی بات معلوم ہوتی ہے۔

تشدد کے ذریعے گورنمنٹ کا مٹانا فضول ہے۔ بلکہ اکثر اوقات دیکھا گیا ہے کہ اگر لوگ تشدد کی پالیسی پر عمل کر کے کامیاب بھی ہوجائیں۔ تو نئی گورنمنٹ پھر قائم ہوجاتی ہے۔ جو پہلی سے زیادہ جابر۔ سخت اور ظالم ثابت ہوتی ہے۔

گزشتہ کا کیا سوال ہے۔ سوشلسٹوں کی تھیوری کے مطابق جن طریقوں سے وہ سرمایہ داروں کی حکومت کا خاتمہ کرنا چاہتے ہیں وہ تشدد پر مبنی ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ تشدد کو مٹانے کے لئے تشدد استعمال کرنا چاہیئے۔ لیکن یہ یاد رکھنے کی بات ہے کہ تشدد سے تشدد کا خاتمہ نہیں ہوسکتا۔ آج تک نہ کبھی ایسا ہوا ہے اور نہ ہوگا ہی۔ بلکہ غلامی کی زنجیریں اور بھی مضبوط اور کڑی ہوجائیں گی۔

تو پھر اور کونسا طریقہ کارگر ہوسکتا ہے؟

تشدد ہمیشہ وہاں کام میں لانا پڑتا ہے۔ جہاں کسی سے

کوئی کام اس کی مرضی کے خلاف کرانے کی ضرورت محسوس ہو اور یہ غلامی ہے۔ اس لئے جب تک تشدّد کا خیال دماغ سے نہ نکلے گا غلامی کا انسداد نہیں ہوگا ٭

تشدّد کے ذریعے غلامی کو مٹانا ایسا ہے جیسے آگ کو آگ سے بجھانے کی کوشش کرنا۔ پانی کو پانی سے روکنا۔ اور ایک گڑھے کو دوسرا گڑھا کھود کر بھرنا ٭

اس لئے اگر دُنیا واقعی غلامی کا جُوا اپنے کندھوں سے اُتارنا چاہتی ہے۔ تو اُسے تشدّد کو ہمیشہ کے لئے خیرباد کہنا پڑے گا۔ بلکہ موجودہ تشدّد کو جو قوانین کی وجہ سے عوام پر ہوتا ہے۔ اُسے بھی دُور کرنا ہوگا۔ اب دیکھنا یہ ہے۔ کہ حکومت کے آدمی تعداد میں کم ہونے پر بھی عوام پر جو تعداد میں بہت زیادہ ہیں کس طرح تشدد روا رکھ سکتے ہیں۔ اس لئے کہ حکومت کے پاس ہتھیار ہیں اور لوگ نہتّے ٭

یہی ایک چیز ہے۔ جس کے ذریعے حکومت فتحیاب ہوتی ہے۔ انہی ہتھیاروں سے یونان اور اہل روما کو غلام بنایا گیا اور انہی ہتھیاروں سے افریقہ اور ایشیا پر قبضہ کیا جارہا ہے۔ انہی ہتھیاروں سے امن وامان کے زمانے میں گورنمنٹ رعایا پر حکومت کرتی ہے۔ اور اسے دبائے رکھتی ہے ٭

یہ نئی بات نہیں پراچین زمانے سے یہی ہوتا آیا ہے۔ صرف ہتھیاروں کی بدولت ہی انسان انسانوں پر حکومت کر رہے ہیں ٭

پُرانے زمانے میں سپاہی اپنے سرداروں کی سرکردگی میں نہتے لوگوں پر حملہ آور ہوکر انہیں لُوٹ لیتے تھے۔ اور اُن کا مال واسباب آپس میں تقسیم کر لیتے تھے۔ چونکہ لوٹ مار سے انہیں مال واسباب ملتا تھا۔ دولت ملتی تھی۔ اس لیئے ہر ایک سپاہی یہی سمجھتا تھا۔ کہ تشدد کا استعمال نفع کا کام ہے۔ اور اب بھی مسلح سپاہی نہتے لوگوں پر یا دوسرے ممالک پر دھاوا بول دیتے ہیں۔ لوٹ مار کرتے ہیں۔ روپیہ پیسہ چھین لیتے ہیں۔ گھروں کو آگ لگا دیتے ہیں۔ اور انہیں قابو کر لیتے ہیں۔ اپنے لیئے نہیں بلکہ اُن لوگوں کے لیئے جو خود اس قسم کے حملوں میں شریک نہیں ہوتے۔ موجودہ گورنمنٹ اور گزشتہ زمانے کے حملہ آوروں میں یہ ایک نمایاں فرق ہے۔ کہ وہ لوگ خود حملہ کرتے تھے۔ نہتے اور غریب لوگوں کا مال چھین لیتے تھے۔ انہیں غلام بنا لیتے تھے۔ اور انہیں کئی قسم کی اذیتیں دیتے تھے۔ لیکن موجودہ گورنمنٹ خود اپنے ہاتھ سے یہ کام نہیں کرتی۔ اس کے پاس کرایہ کے آدمی ہیں۔ جنہیں تشدد استعمال کرنے کی باقاعدہ تعلیم دی جاتی ہے۔ لوگ بھی اگرچہ غلاموں میں سے ہی منتخب کیئے جاتے ہیں۔ مگر تشدد کی تعلیم سے بہرہ ور ہوکر وہ اپنے ہی بھائیوں پر اس طرح ٹوٹ پڑتے ہیں۔ جیسے گدھ مُردار پر! چنانچہ گزشتہ زمانے اور موجودہ حکومت کے تشدد میں یہ فرق ہے۔ کہ وہ لوگ جو کرتے تھے اپنے ہاتھ سے کرتے تھے۔ اور اس کی تمام تر ذمہ واری انہیں کے سر تھی۔ لیکن موجودہ گورنمنٹ دوسروں کے ذریعے اپنا اُلّو

سیدھا کرتی ہے ؎

اگر گزشتہ زمانے میں اپنے آپ کو چوروں اور ڈاکوؤں کے حملوں سے بچانے کے یہ ضروری تھا۔ کہ انسان دلیر۔ طاقتور۔ اور ہتھیار بند بن جائے۔ تاکہ ان کا مقابلہ کر سکے۔ تو آج کل اس بات کی ضرورت ہے۔ کہ گورنمنٹ کے راز کو طشت از بام کر دیا جائے۔ تاکہ لوگ دھوکے میں نہ آئیں ؎

اہل حکومت عوام سے کہتے ہیں۔ کہ ہم نے مانا تمہاری تعداد بہت ہے۔ لیکن تم بے وقوف ہو۔ نالائق ہو۔ اور جاہل ہو۔ اس لئے نہ تو تم حکومت ہی کر سکتے ہو۔ اور نہ اپنا بند وبست ہی! اس لئے ہم یہ تمام ذمہ واریاں اپنے سر پر لیتے ہیں۔ ہم تمہاری حفاظت کریں گے۔ تمہیں دشمنوں سے بچائیں گے۔ تمہارے لئے عدالتیں مقرر کریں گے۔ جہاں انصاف ہوگا۔ تمہارے بچوں کی تعلیم کے لئے اسکول کھولیں گے۔ سڑکوں کی دیکھ بھال کریں گے۔ ڈاک خانے اور تار گھر قائم کریں گے۔ اور اس کے بدلے تمہیں بھی ذرا سی قربانی کرنی پڑے گی۔ یعنی اپنی آمدنی کا کچھ تھوڑا سا حصہ ہمارے خزانہ میں جمع کرنا ہوگا۔ اور اپنے آدمی فوج میں بھرتی کرنے ہونگے۔ تاکہ ہم ہر طرح تمہاری حفاظت کر سکیں ؎

بہت سے آدمی یہ چکنی چپڑی باتیں سُن کر فوراً رضامند ہو جاتے ہیں۔ اس لئے نہیں کہ فواید اور نقائص کا مقابلہ کرتے ہیں۔ بلکہ اس لئے کہ وہ روز پیدایش سے بھی دیکھتے اور سُنتے آئے ہیں۔ اور اگر کسی کے دل میں شکوک پیدا بھی ہوتے ہیں۔ تو وہ ان کو

دبا لیتا ہے۔ کیونکہ وہ جانتا ہے کہ اکیلا چنا بھاڑ نہیں پھوڑ سکتا۔ عوام تو یہ سمجھتے ہیں۔ کہ چلو جی! معمولی ٹیکس ہے۔ ادا کر دینگے۔ پھر مزے ہی مزے ہیں۔ اس کے مقابلے میں گورنمنٹ کتنی زبردست ذمہ داری لینے کو تیار ہے۔ ٹیکس ادا کر لئے یا فوج میں داخل ہونے میں ہرج ہی کیا ہے۔ ہمارا اپنا ہی تو فائدہ ہے ؎

لیکن جب گورنمنٹ کے پاس روپیہ اور فوج ہو جاتی ہے۔ تو اپنا رویّہ بدل لیتی ہے۔ ایفائے وعدہ تو کجا رہا۔ وہ اپنی ہمسایہ سلطنتوں کے ساتھ چھیڑ چھاڑ شروع کر دیتی ہے۔ جنگ شروع ہو جاتی ہے۔ روپیہ اور آدمی مفت میں غارت ہو جاتے ہیں۔ دشمنی بڑھ جاتی ہے۔ اور فائدہ کچھ بھی نہیں ہوتا ؎

الف لیلہ میں سند باد جہازی کی ایک کہانی مرقوم ہے۔ جس میں لکھا ہے کہ ایک مرتبہ سند باد کا جہاز ٹوٹ گیا۔ وہ قسمت کا مارا ایک ایسے جزیرے میں جا پہنچا۔ جو بالکل ویران پڑا تھا۔ سند باد خوراک کی تلاش میں بھٹکتا ہوا ایک ندی کے کنارے آ گیا۔ جہاں ایک بوڑھا آدمی جس کی دونوں ٹانگیں سوکھی ہوئی تھیں۔ بیٹھا تھا۔ جب بوڑھے نے سند باد کو دیکھا تو کہنے لگا "اے شخص تجھ پر خدا کی رحمت ہو۔ میں چلنے پھرنے سے لاچار ہوں۔ ذرا مجھے اُٹھا کر ندی کے پار لے چلو۔ بڑی مہربانی ہوگی ؎

سند باد اس کے جھانسوں میں آ گیا۔ جونہی اس نے بوڑھے کو اپنے کندھوں پر بٹھایا۔ اس کی ٹانگیں سند باد کی گردن کا ہار ہو گئیں۔ اب اس نے کہاں جانا تھا۔ اس کے سر پر چڑھ کر بیٹھ گیا۔

اور لگا حکم چلانے۔ سند باد پھنس گیا تھا۔ اس لئے مجبوراً اُس کے حکم کے مطابق چلنے لگا۔ بوڑھا جدھر چاہتا تھا اُسے لے جاتا تھا۔ خود درختوں سے پھل توڑ کر کھاتا تھا اور سند باد کو پوچھتا تک نہ تھا۔ بلکہ اگر وہ چلنے میں ذرا بھی غفلت کرتا۔ تو اُسے گالیاں دینے لگتا۔

یہی حال لوگوں کا ہے۔ جو روپے اور آدمیوں سے گورنمنٹ کی مدد کرتے ہیں۔ روپے سے گورنمنٹ بندوقیں خریدتی ہے۔ اور ایسے لوگوں کو ملازم رکھتی ہے۔ جو فوجی تعلیم حاصل کرنے کے بعد ہر وقت انسانی خون کے پیاسے رہتے ہیں۔ ان سے جو زیادہ سخت۔ سنگ دل اور فوجی اصولوں پر سختی سے عمل کرنے والے ہوتے ہیں۔ وہ فوج کی کمان سنبھال لیتے ہیں۔ اور دُوسروں کو باقاعدگی کی تعلیم دیتے ہیں۔ فوجی قوانین سے بہرہ ور کرتے ہیں۔ اور ان پر عمل کرواتے ہیں۔ جو لوگ فوجی سپاہی بن جاتے ہیں۔ اور کچھ عرصہ فوجی تعلیم حاصل کر لیتے ہیں۔ وہ انسانی خاصیتوں کو بہت جلد کھو بیٹھتے ہیں۔ اور مشین کی طرح اپنے افسروں کے ہاتھ میں کام کرتے ہیں۔ گورنمنٹ انہی لوگوں کے ذریعے عوام کو قابو میں لاتی ہے۔ جو سلوک چاہتی ہے کرتی ہے۔ اور لوگ سرکاری احکام کے برخلاف آواز نہیں اُٹھا سکتے۔ بلکہ ان کی خاموشی کو وفاداری کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ بادشاہ۔ پریزیڈنٹ اور دیگر بڑے بڑے آدمی بھی فوجی احکام کا احترام کرتے ہیں۔ اور فوجوں کی نقل و حرکت

اور تعلیم میں بے قاعدگی نہیں آنے دیتے۔ کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ فوج کے بل بوتے پر ہی اُن کی حکومت قائم ہے۔ فوج کی باقاعدگی اور احکام کی تعمیل ہی پر اُن کی حکومت کا دار و مدار ہے۔ ان کی زندگی ہے اور طاقت ہے۔ فوجی طاقت کے سر پر ہی وہ ہاتھ پاؤں ہلائے بغیر بڑے سے بڑا کام سرانجام دے سکتے ہیں۔ اور لوگوں پر حکومت کرنے کی طاقت حاصل کرتے ہیں۔

جب تک یہ فوجی طاقت موجود ہے۔ گورنمنٹ کا بال بیکا نہیں ہو سکتا۔ لوگوں کے لئے سب سے پہلے یہ سمجھنا ضروری ہے کہ حضرت مسیح کے اصول کے مطابق ایک شخص کو دوسرے سے بچانے یا حفاظت کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ آپس کی دشمنی یا رنجش گورنمنٹ کے ساتھ وابستہ ہے۔ اگر گورنمنٹ نہ ہوگی تو دشمنی کا بھی خاتمہ ہو جائیگا۔ فوج کی عوام کے لئے کوئی ضرورت نہیں۔ اس کی خدمات سے وہ لوگ فائدہ اُٹھا سکتے ہیں۔ جن کے سر میں حکومت کا سودا سمایا ہوا ہے۔ عوام کے لئے فوج کا وجود نقصان دہ ہے۔ اور غلامی کی رسم میں اضافہ کرتا ہے۔ دُوسرے لوگوں کو یہ سمجھ لینا چاہیئے۔ کہ فوجی قوانین کی پابندی کرنا انسان کے لئے سب سے بڑا گناہ ہے۔ انسان ان کے سامنے اپنے ضمیر کی پرواہ نہیں کرتا۔ اصولی اختلاف کو نہیں دیکھتا۔ اُسے مجبوراً اندھوں کی طرح ان انسان کے بنائے ہوئے قوانین کو ماننا پڑتا ہے۔ یہ پابندی انسان کے ضمیر کو کچل دیتی ہے۔ دلیل کا سوال نہیں رہتا۔ اپنی طبعی آزادی کھو بیٹھتا ہے۔ اور اس قسم کی پابندی سے عموماً اس قسم کے مکروہ فعل ظہور میں آتے ہیں۔ جو

انسان کے لئے جہنّم کا دروازہ کھول دیتے ہیں۔ اس قسم کی پابندی کی قومی جنگ میں بھی کچھ ضرورت نہیں۔ جیساکہ بوئروں نے گزشتہ جنگ میں ثابت کردیا ہے۔ اس پابندی کی صرف اس لئے ضرورت ہے کہ دنیا میں رہ کر بڑے سے بڑے گناہ کئے جائیں۔ قیمتی جانوں کو تباہ کیا جائے۔ چھل کپٹ کی عادت ڈالی جائے۔ ولیم دوم نے اس پر کافی روشنی ڈالی ہے۔

بوڑھے نے سندباد کے ساتھ وہی سلوک کیا۔ جو گورنمنٹیں رعایا کے ساتھ کرتی ہیں۔ اس نے سندباد کا مذاق اُڑایا۔ گالیاں دیں۔ اور حسب خواہش کام لیا۔ کیونکہ وہ جانتا تھا۔ کہ اس وقت یہ میرے ہاتھ میں ہے۔ جب تک میں اس کی گردن پر سوار ہوں یہ کہیں نہیں جاسکتا۔

اسی چالاکی اور دھوکے سے عقلمندوں کا چھوٹا سا گروہ اپنی خودغرضی کو مدنظر رکھ کر لوگوں کو سبز باغ دکھاتا ہے۔ جب وہ پھنس جاتے ہیں۔ تو اُن کے سر پر حکومت کی شکل میں سوار ہو جاتا ہے۔ پھر جو چاہے کرواتا ہے۔ اور رعایا بے بس ہو جاتی ہے۔ اس لئے مجبوراً رعایا کو حکومت کے قوانین خواہ وہ بُرے ہوں یا اچھے ماننے پڑتے ہیں۔ لیکن یاد رکھو کہ یہ صرف چالاکی ہے۔ اور کچھ نہیں۔ وقت آگیا ہے کہ اس چالاکی کو طشت از بام کر دیا جائے۔ تاکہ بھولے بھالے لوگ زیادہ دیر تک اس فریب کے جال میں نہ پھنسے رہیں۔

کچھ عرصہ ہُوا۔ ایک جرمن محقّق نے ایک اخبار میں ایک

مضمون لکھا تھا۔ جس کے لفظ لفظ میں کوٹ کوٹ کر صداقت بھری ہوئی تھی۔ اس میں اس نے یہ دکھانے کی کوشش کی تھی کہ گورنمنٹیں ان ڈاکوؤں کی مانند ہیں جو گزشتہ زمانے میں مسافروں سے اپنا باقاعدہ ٹیکس وصول کر لیا کرتے اور اپنے علاقے میں اس کی حفاظت کے ذمہ وار ہوتے تھے۔ اس مضمون کی بنا پر اس جرمن محقق پر مقدمہ چلا۔ مگر جیوری نے اسے بری کر دیا +

ہم پر گورنمنٹ نے اس قدر جادو کر دیا ہے۔ کہ ہمیں یہ تشبیہ بالکل مبالغہ آمیز اور غلط معلوم ہوتی ہے۔ لیکن در اصل یہ غلط نہیں۔ بلکہ ہم کہیں گے کہ گورنمنٹ کا سلوک اور رویہ اس کی نسبت زیادہ انسانیت سے گرا ہوا ہے۔ بلکہ نقصان دہ ہے +

ڈاکو صرف امیروں کو لوٹتے ہیں۔ لیکن گورنمنٹ غریبوں کو لوٹتی ہے اور امیروں کا پیٹ بھرتی ہے۔ تاکہ وہ آڑے وقت کام آئیں۔ ڈاکو حملہ کرتے وقت اپنی جان ہتھیلی پر رکھ کر آتے تھے۔ مگر گورنمنٹ اپنے آپ کو قطعی طور پر خطرے میں نہیں ڈالتی۔ یہ دوسروں کو آگے کرتی ہے۔ اور دھوکے سے اپنا کام نکالتی ہے۔ ڈاکو کسی کو اپنے گروہ میں شامل ہونے کے لئے مجبور نہیں کرتے۔ لیکن گورنمنٹ فوج میں جبریہ بھرتی کرتی ہے۔ جو لوگ ڈاکو کو ٹیکس ادا کر دیتے تھے۔ وہ خطرے سے محفوظ رہتے تھے۔ لیکن گورنمنٹ کے سایہ تلے جو جس قدر زیادہ فریب کرنے میں مدد دیتا ہے اسی قدر وہ زیادہ انعام کا حقدار ہے۔ بادشاہ اور پریزیڈنٹ سب سے زیادہ مزے میں ہیں۔ ان کے ساتھ ہر وقت حفاظتی فوج

رہتی ہے۔ وہ ٹیکسوں کے ذریعے وصول کئے ہُوئے روپے میں سے سب سے زیادہ اپنی ذاتی اغراض کے لئے خرچ کرتے ہیں۔ اس لئے کہ وہ بادشاہ اور پریزیڈنٹ ہیں۔ ان کے بعد کمانڈر انچیف۔ وزیروں۔ امیروں اور گورنروں کی باری آتی ہے۔ یہ لوگ بھی خوب مزے میں ہیں۔ کیونکہ انہی لوگوں کے وسیلے سے گورنمنٹ حکومت کرتی ہے۔ جو لوگ حکومت کے ساتھ اتفاق نہیں کرتے۔ جو فوج میں بھرتی ہونے سے انکار کر دیتے ہیں۔ جو ٹیکس ادا نہیں کرتے۔ یا قوانین کی پابندی نہیں کرتے۔ وہ سزا کے مستحق سمجھے جاتے ہیں۔ اور انہیں طرح طرح کی ایذائیں دی جاتی ہیں۔ ڈاکو لوگوں کو زبردستی اپنے جیسا نہیں بنا دیتے۔ لیکن گورنمنٹ تو مجبور کرتی ہے کہ اس کے قوانین کی پابندی کی جائے۔ اور اس کی ہاں میں ہاں ملائی جائے۔ گزشتہ زمانے یا موجودہ زمانے کا کوئی سخت سے سخت اور ظالم سے ظالم ڈاکو بھی ایسا بُرا نہ ہوگا جیسی آج کل کی انتظامیہ حکومتیں نظر آتی ہیں۔ ظاہرا طور پر یہ آزاد حکومتیں ہیں۔ آزادی کا سبق دیتی ہیں۔ لوگوں کے حقوق کی حفاظت کرنے کا دم بھرتی ہیں۔ لیکن دراصل وہی ڈھول کے اندر پول کا مسئلہ ہے۔ اونچی دوکان پھیکا پکوان۔ کچھ نہ پوچھو کہ یہ آزادی کا علم بلند کرنے والی گورنمنٹیں اپنے ماتحت رعایا کے ساتھ کیا سلوک کر رہی ہیں ؂

ہر شخص خدا کے گھر کی طرف اور حکومت کی طرف عزت سے دیکھتا ہے۔ کیونکہ اسے روز اول سے تعلیم ہی یہی دی جاتی ہے۔ لیکن جب وہ خدا کے گھر یعنی گرجے کی تعلیم اور حکومت کی اصلیت کو

سمجھنے کے قابل ہو جاتا ہے۔ تو پھر اس کی آنکھیں کھلتی ہیں۔ جب تک اُسے اصلیت کی خبر نہیں ہوتی۔ وہ سمجھتا ہے کہ جو لوگ اس کی رہنمائی کر رہے ہیں اس کی نسبت زیادہ افضل۔ زیادہ عقلمند۔ دیانتدار اور ہوشیار ہیں۔ لیکن جب اُسے یہ معلوم ہوتا ہے کہ نہیں یہ صرف نظر کا دھوکا ہے۔ اصلیت کو چھپایا جا رہا ہے۔ اسے غلط راستے پر چلایا جا رہا ہے۔ تو وہ ہوشیار ہو جاتا ہے۔ اس کی آنکھیں کھل جاتی ہیں۔ اور وہ صداقت کو تلاش کرنے لگتا ہے۔ لیکن یہ بات لوگ اُسی وقت سمجھتے ہیں۔ جب اُنہیں معلوم ہو جائے کہ گورنمنٹ کیا چیز ہے؟

لوگوں کو یہ اچھی طرح سمجھ لینا چاہئیے۔ کہ اگر وہ گورنمنٹ کو روپے پیسے یا بھرتی میں مدد دیتے ہیں۔ تو وہ گورنمنٹ کے گناہوں میں پوری طرح شریک ہوتے ہیں۔ اور ان گناہوں کے بھی حصہ دار ہیں۔ جو اس روپے کی مدد سے گورنمنٹ آیندہ کرنے کی تیاریاں کرتی ہے۔

اگر بہ نظر غور دیکھا جائے تو یہ ماننا پڑے گا۔ کہ گورنمنٹ کا وقار رعایا کے دِل سے دن بدن کم ہو رہا ہے۔ اس سے پیشتر کہ لوگ گورنمنٹ سے بدظن ہو کر گمراہ ہو جائیں۔ انہیں یہ سمجھ لینا چاہئیے۔ کہ دنیا بھر کی گورنمنٹیں غیر ضروری ہیں۔ نقصان دہ ہیں۔ اور لوگوں کو بے ایمان بناتی ہیں۔ جب تک یہ گورنمنٹیں قائم ہیں۔ کوئی شریف دیانتدار اور ایماندار شخص ان کے سامنے رہ کر سُکھ کا سانس نہیں لے سکتا۔ اس لئے لوگوں کا فرض ہے کہ وہ ان کے ساتھ تعاون نہ کریں اور نہ ہی ان کے انتظام میں حصہ لیں۔

جب لوگوں کے ذہن نشین ہو جائے گا۔ کہ ہمارا مشورہ صحیح اور

درست ہے۔ تو وہ خود بخود ہی گورنمنٹ سے کنارہ کشی اختیار کر لینگے۔
سپاہی نہیں دینگے۔ اور نہ روپیہ ہی دیں گے۔ اور جوں جوں یہ سپرٹ
بڑھتی جائے گی۔ خود بخود غلامی کا انسداد ہو جائے گا۔ فریب کا جال
ٹوٹ جائے گا۔

(۱۴)

ہر شخص کا کیا فرض ہے؟

جو لوگ عیش و آرام کی زندگی بسر کر رہے ہیں۔ یا وہ لوگ جو
غلامی کے عادی ہو چکے ہیں۔ کہیں گے یہ سب زبانی جمع خرچ ہے۔
ان تجویزوں کو عملی جامہ پہنانا نہ صرف دشوار ہی ہے۔ بلکہ ناممکن
ہے +

جو کھاتے پیتے لوگ ہیں۔ وہ سوال کریں گے کہ ہم نے سب
کچھ مان لیا۔ مگر ہمیں صاف طور پر بتایا جائے۔ کہ ہم کیا کریں۔ اور
کیا نہ کریں۔ لوگوں کو اپنا ہم خیال بنانے کے لئے ہمیں کیا کچھ کرنا
ہوگا +

جب کبھی مزدوروں کی حالت کو بہتر بنانے کا سوال آتا ہے۔
تو یہ امیر لوگ جو غریبوں کی محنت اور خدمات کے سر پر عیش کرتے
ہیں فوراً کہنے لگتے ہیں۔ ہم تو دل و جان سے چاہتے ہیں۔ کہ غریبوں کا
بھلا ہو۔ مگر جن باتوں کو وہ بُرا سمجھتے ہیں۔ ان کی روک تھام کی کبھی
کوشش نہیں کرتے۔ اگرچہ یہ اُن کے بس میں ہے۔ وہ جانتے ہیں
کہ ہم بُرائی کر رہے ہیں۔ یہ سختی ہے۔ زبردستی کی حکومت ہے۔ مگر

کرتے وقت آنکھیں بند کر لیتے ہیں۔ یہی نہیں کہ وہ مزدوروں سے زیادہ کام لیتے ہیں۔ یا انہیں غلام سمجھتے ہیں بلکہ انہیں غلام بنائے رکھنے کی نئی نئی ترکیبیں بھی سوچتے رہتے ہیں۔ سب سے پہلے اُنہیں اُن بُرائیوں سے ہاتھ کھینچ لینا چاہیئے۔ جو ان کے لئے نہایت آسان ہے۔ ہر ایک مزدور یہ سمجھتا ہے کہ ان کی ابتری کے ذمّہ دار ان کے آقا ہیں۔ جو سرمایہ دار ہیں اور ان کی محنت کی مزدوری کم دیتے ہیں۔ ان کے دماغ میں یہ بات بھول کر بھی نہیں آتی۔ کہ وہ خود اپنے آپ کو اپنے بھائیوں کو تباہ کر رہے ہیں۔ اگر وہ چاہیں تو وہ تباہی سے بچ سکتے ہیں۔ یعنی خود غرضی کو چھوڑ کر سرمایہ داروں کی حمایت چھوڑ دیں۔ ان کا کام کرنا بند کر دیں۔ ان کے ساتھ تعاون نہ کریں۔ پھر دیکھیں۔ کہ یہ لوگ سیدھے رستے پر آتے ہیں یا نہیں۔ اگر تھوڑے ہی دنوں میں چیں نہ بول جائے تو ہمارا ذمّہ! یہ مزدور در اصل خود غلامی کے جال میں پھنستے ہیں۔ چار پیسوں کی خاطر اپنی آزادی قربان کر دیتے ہیں۔ خلاف ضمیر کام کرنے کے لئے تیار ہو جاتے ہیں۔ اور اپنی محنت سے اس قسم کی چیزیں سرمایہ داروں کے کارخانوں میں جاکر تیار کرتے ہیں۔ جو انسان کے لئے مصیبت اور تباہی کا پیش خیمہ ثابت ہوتی ہیں۔ اور سب سے بڑی غلطی مزدور لوگ یہ کرتے ہیں کہ گورنمنٹ کا رعب و داب قائم رکھنے میں مدد دیتے ہیں۔ ٹیکس ادا کرتے ہیں۔ اور فوج میں بھرتی ہو کر غلام بن جاتے ہیں ٭

اگر سرمایہ دار اور مزدور دونوں جماعتوں کی یہ دلی خواہش ہے۔

کہ موجودہ حالات میں تبدیلی پیدا ہو۔ اور بہتری کی صورت نمودار ہو۔ تو سب سے پہلے خود غرضی کا خیال دل سے نکال دینا چاہئے۔ قربانی کے لئے تیار ہو جانا چاہئے۔ اور قومی خدمت کو اپنی زندگی کا سنہری اصول بنا لینا چاہئے۔ اپنی بہتری اور اپنے بھائیوں کی بھلائی کو مدّنظر رکھتے ہوئے اپنے فوائد کو نظر انداز کرنا پڑے گا۔ اور ایک زبردست جنگ کی تیاری کرنی ہوگی۔ وہ جنگ گورنمنٹ کے خلاف نہیں ہوگی۔ بلکہ اپنے اور اپنے خاندان کے خلاف ہوگی۔ جس میں اپنے فوائد کی آہوتی دینی ہوگی۔ اس کے علاوہ گرفتاری کا خوف بھی دل سے دور کر دینا ہوگا۔ کیونکہ جب وہ حکومت کی خواہش کو پورا نہ کریں گے تو حکومت فوراً گرفتار کر لے گی +

اب اس سوال کا جواب کہ ہر شخص کا کیا فرض ہے نہایت آسانی سے صاف لفظوں میں دیا جا سکتا ہے۔ اور وہ جواب ایسا ہے کہ جس پر ہر شخص عمل کر سکتا ہے۔ اور اپنے بلند معیار کو قائم رکھ سکتا ہے۔ یہ ہم بھی جانتے ہیں کہ ہمارا یہ جواب اُن لوگوں کے لئے تسلی بخش ثابت نہیں ہو سکتا۔ جن کے دماغ میں یہ خیال گھس گیا ہے کہ ہمیں صحیح راستہ معلوم ہے۔ ہم صرف دوسروں کو سدھارنے کے لئے پیدا ہوئے ہیں۔ ہمیں کوئی کیا سدھارے گا۔ یا جن مزدوروں کو یہ خیال ستا رہا ہے۔ کہ ہماری ابتری اور بربادی کے ذمّہ وار یہی سرمایہ دار ہیں۔ ان کے پاس پیسہ ہے۔ کارخانے ہیں۔ اور ہمارے ساتھ من مانی کارروائی کرتے ہیں۔ کوئی پوچھنے دیکھنے والا نہیں۔ اگر ان کے ذرائع کسی طرح ہمارے قبضے میں آ جائیں۔

تو تمام مصیبتوں کا خاتمہ ہو جائے۔ لیکن وہ نادان یہ نہیں جانتے کہ ہماری تباہی اور بربادی ہمارے اپنے کرموں کا نتیجہ ہے۔ ہم لوگ ہی تو اُن کے ہاتھوں میں لاٹھی کا کام دیتے ہیں۔ اگر ہم ان کے ساتھ تعاون کرنا چھوڑ دیں۔ تو انہیں چھٹی کا دودھ یاد آجائے۔ صرف روپیہ دُنیا میں کچھ نہیں کر سکتا۔ اور یہ چیزیں ہیں جو مدد کرتی ہیں۔ اس لئے اگر ایک شخص غلامی کے دائرے سے نکل کر آزادی کی ہوا میں سانس لینا چاہتا ہے۔ تو اس کا اوّلین فرض ہے کہ غلامی کے اسباب کا انسداد کرنے کے لئے اپنے فواید کو قربان کر دے۔ پھر اپنی مرضی سے یا اپنی مرضی کے خلاف گورنمنٹ کا ساتھ نہ دے۔ اور نہ ہی اس کے ماتحت بطور سپاہی یا فیلڈ مارشل یا وزیر۔ یا ٹیکس کلکٹر۔ گواہ۔ نمبردار۔ جیوری مین۔ گورنر یا پارلیمنٹ کے ممبر بننے کے لئے تیار ہو۔ یہ آزادی حاصل کرنے کی پہلی شرط ہے +

دوسرے گورنمنٹ کو اپنی خواہش سے ٹیکس ادا نہ کرے۔ گورنمنٹ کے اُس روپے میں سے جو ٹیکسوں کے ذریعے وصول ہوتا ہے۔ اپنی تنخواہ یا پنشن یا معاوضہ قبول نہ کرے۔ اور گورنمنٹ کی کسی ایسی انسٹی ٹیوشن کے ساتھ تعاون نہ کرے۔ جو ٹیکس کے روپے کی مدد سے چل رہی ہو۔ یہ دوسری شرط ہے۔ تیسرے جو شخص اپنی اور اپنے ہمسایوں کی بہتری اور بہبودی کا خواہاں ہے۔ اس کا فرض ہے کہ وہ ضرورت کے وقت سرکاری امداد قبول نہ کرے۔ اور نہ ہی سرکاری عدالتوں میں

پیش ہو کر اپنے آپ کو بچانے کی کوشش کرے۔ اس کے پاس اپنی زمین ہونی چاہیئے۔ جسے کاشت کرے۔ بوئے اور اپنے بال بچوں کا گزارہ کرے +

لیکن کیا یہ سب کچھ ممکن ہے؟ کیا گورنمنٹ کے ساتھ تعاون کئے بغیر ایک انسان زندہ رہ سکتا ہے؟ اگر کوئی شخص فوج میں بھرتی ہونے سے انکار کر دے۔ تو اسے نظر بند کر دیا جائے گا۔ اگر کوئی شخص سرکاری ٹیکس نہیں دے گا۔ تو اسے سزا ملے گی۔ اور ٹیکس اس کی جائداد کو نیلام کر کے وصول کر لیا جائے گا۔ اگر وہ شخص سرکاری نوکری سے انکار کر دے گا۔ جس کے پاس روٹی کمانے کا کوئی وسیلہ نہیں۔ تو وہ اپنے بال بچوں سمیت بھوکا مر جائے گا۔ اور جو شخص گورنمنٹ کی مدد لینے سے انکار کر دے گا۔ اس کا بھی یہی حشر ہوگا۔ پھر یہ بھی بہت مشکل ہے کہ ان چیزوں کا استعمال بند کر دیا جائے۔ جنہیں ٹیکس کے روپے کی امداد مل رہی ہے۔ اس کے علاوہ یہ بھی ناممکن ہے کہ گورنمنٹ کے انسٹی ٹیوشنوں کا استعمال ترک کر دیا جائے۔ مثلاً ڈاک اور تار کا محکمہ۔ سڑکیں اور ریل جیسی چیزیں ہیں +

یہ بالکل صحیح ہے کہ آج کل کے زمانے میں گورنمنٹ کے سایہ تلے رہ کر گورنمنٹ سے کنارہ کشی نہیں ہو سکتی۔ لیکن یہ ضرور ہو سکتا ہے۔ کہ جہاں تک ممکن ہو گورنمنٹ کی امداد کے بغیر اپنی زندگی بسر کرنے کی کوشش کرنی چاہیئے۔ اس کے لئے یہ ضروری ہے۔ کہ ہم ضروریات کو کم کر دیں۔ جب ضروریات کم ہو گئیں تو آپ دیکھیں گے۔ کہ گورنمنٹ کے ساتھ تعاون کی ضرورت ہی نہ رہے گی۔ یہ ضروری

نہیں کہ سب کے سب گورنمنٹ سے کنارہ کشی اختیار کر لیں ۔لیکن یہ تو ہو سکتا ہے ۔کہ خود اپنی خواہش سے فوج اور پولیس کی نوکری حاصل کرنے کی کوشش نہ کی جاے ۔اس کے مقابلہ میں پرائیویٹ سروس کو ترجیح دو ۔ یہ ہم مانتے ہیں کہ ہمارے اُپدیش سے متاثر ہو کر سب آدمی اپنی زمینی جائداد چھوڑنے کے لئے تیار نہیں ہوں گے۔ مگر جس زمین کی تمہیں ضرورت نہیں ہے ۔ وہ تو چھوڑ دو۔وہ دُوسروں کے کام آجاے گی ۔ اگر ہر ایک سرمایہ دار اپنا سرمایہ ملک اور قوم کی ضروریات پر قربان نہیں کر سکتا ۔ تو نہ سہی کم از کم اتنا تو کرے کہ اپنی ضروریات کو دن بدن گھٹاتے جاؤ ۔تاکہ دوسروں کو تمہاری شان و شوکت دیکھ کر جلنے کا موقع نہ ملے ۔

اگر ایک شخص سرکار سے اپنی تنخواہ لینا بُرا نہیں سمجھتا ۔ اور اسے اپنا حق سمجھ کر وصول کرتا ہے ۔کیونکہ یہی تنخواہ اس کے گزارے کا ذریعہ ہے ۔تو اس کا فرض ہے کہ وہ اپنی ضروریات کو کم کر دے۔ تاکہ وہ کم تنخواہ پر گزارہ کر سکے ۔ اور زیادہ تنخواہ حاصل کرنے کے لئے اپنے بھائیوں پر ظلم نہ کرنا پڑے ۔اگر لوگ مکمل طور پر سرکاری سکولوں کا بائیکاٹ نہیں کر سکتے تو نہ سہی ۔لیکن ان کا فرض ہے کہ غیر سرکاری سکولوں کو ترجیح دیں ۔ اور جب ان میں جگہ نہ رہے ۔تب اپنے لڑکے سرکاری سکولوں میں بھیجیں ۔ اس طریقے سے ہماری زندگی کا دار و مدار سرکاری امداد پر بہت کم رہ جاے گا ۔اور ہم خود اپنے پاؤں پر کھڑے ہو جائیں گے ۔

موجودہ حکومتیں شیطانی طاقت کا مظاہرہ ہیں ۔ان کی شکل

وصورت تبدیل کرنے کے لئے بڑی محنت کی ضرورت ہے۔اگر لوگ گورنمنٹ کے کاموں میں حصّہ لینا بند کردیں۔اپنے ذاتی مفاد کو قربان کردیں۔اور اپنی ضروریات کو کم کردیں۔تو موجودہ نظام میں حسب خواہش تبدیلی ہوسکتی ہے ؞

ہم نہیں کہہ سکتے۔کہ حکومتوں کی دن بدن بڑھتی ہوئی کمزوریاں اور لوگوں کا خواب غفلت سے بیدار ہونا ایک دن کیا گل کھلائے گا۔ حالات ایسے ہیں۔کہ کوئی بھی کچھ نہیں کہہ سکتا۔ممکن ہے کہ لوگوں کی زندگی میں بہت بڑی تبدیلی ہوجائے۔کیونکہ ان کی نیند کھل گئی ہے۔اب وہ بُرے بھلے کی تمیز رکھتے ہیں۔لیکن یہ ہم دعوے سے کہتے ہیں کہ اگر لوگوں نے حکومت کا ساتھ نہ دیا۔اور ان کے مجرمانہ فعلوں میں حصہ نہ لیا۔تو دُنیا میں انقلاب آجائے گا۔ لوگ گناہوں سے مُبرا ہوجائیں گے۔اور سُکھ سے زندگی بسر کریں گے۔ کیونکہ پھر ان کی زندگی خدائی قوانین پر مبنی ہوگی۔وہ اپنی ضمیر کے غلام ہوں گے۔اور صحیح راستے پر چل سکیں گے ؞

سب سے بُری بات یہ ہے کہ آج کل جن حالات میں انسان کو زندگی بسر کرنی پڑتی ہے۔وہ بُرے ہیں۔اور اس کو سب جانتے ہیں سب مُتفق ہیں۔کوئی انکار نہیں کرسکتا۔ موجودہ بُرائیوں کا انسداد اُسی صورت میں ہوسکتا ہے۔جب حکومتوں کی حیوانی طاقتوں میں کمی واقع ہوجائے۔حکومت کے تشدّد کو دُور کرنے کا صرف ایک ہی نسخہ ہے۔اور وہ یہ کہ لوگ اس تشدّد کے حصہ دار نہ بنیں۔اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے۔

کہ ممکن ہے کہ ہم اس تشدّد سے دُور رہ سکیں۔ شاید اس سوال کا حل مشکل ہو۔ لیکن ناممکن نہیں۔ کیونکہ اس تشدّد کو مٹانے کا دوسرا کوئی ذریعہ نہیں۔ اس لئے اس ذریعے سے اِس کا قلع قمع کرنا پڑے گا +

یہ تشدّد کب تک دُور ہو سکتا ہے؟ اس کا جواب لوگوں کی ہمّت۔ محنت اور صاف دلی دے گی۔ اگر لوگ کام کرنے کے لئے دل و جان سے تیّار ہو جائیں گے۔ تو اس تشدد کا وجود دُنیا میں قائم نہیں رہ سکتا۔ ہر ایک آدمی جدا جدا طاقت رکھتا ہے۔ اپنی ہمت اور قابلیت کے مطابق کام کرتا ہے۔ اور یہ ضروری نہیں کہ سب ہم خیال ہوں۔ بعض آدمی جانتے بوجھتے ہوئے بھی خدا کی مرضی کے خلاف کام کرتے ہیں۔ اور اپنے خیالات کے محل کی دیواریں ریت پر بناتے ہیں۔ لیکن جن لوگوں کی ضمیر صاف ہے۔ خیالات پاکیزہ ہیں۔ وہ پھونک پھونک کر قدم رکھتے ہیں۔ اور آخر منزلِ مقصود پر پہنچ جاتے ہیں +

اور یہ بھی ممکن ہے کہ میں ہی غلط راستے پر جا رہا ہوں۔ کیونکہ تواریخ میری تھیوری کو نہیں مانتی۔ تواریخ ہمیں بتلاتی ہے۔ کہ لوگ غلامی کا جُوا اُتارنا چاہتے ہیں۔ برعکس اس کے یہ ثابت ہو سکتا ہے کہ ترقی کے لئے تشدُّد کا وجود ضروری ہے۔ اور چونکہ گورنمنٹ تشدُّد کو عمل میں لانا جانتی ہے۔ اس لئے اگر گورنمنٹ نہ رہے۔ تو رعایا سُکھ کی نیند نہ سو سکے گی۔ جان و مال کی حفاظت کون کرے گا!

فرض کر لیجئے کہ یہ ٹھیک ہے۔ اور جو دلائل ہم نے دی ہیں۔

وہ آزمایش کی کسوٹی پر پوری نہیں اُترتیں۔ لیکن ہم کسی شخص کو وہ کام کرنے کے لئے جسے وہ بُرا سمجھتا ہے جو اُس کی ضمیر کے خلاف ہے۔ کس طرح مجبور کر سکتے ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ تواریخ سے گو یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ بنی نوع انسان کی بہتری اور بہبودی کے لئے گورنمنٹ کا وجود نہایت ضروری ہے۔ اور جب تک گورنمنٹ خودساختہ قوانین پر سختی سے عمل نہ کرے۔ انتظام قائم نہیں رہ سکتا۔ لیکن یہ بھی ہر شخص تسلیم کرے گا کہ قتل کرنا گناہ بھی ہے اور جُرم بھی! اگر تم فوج میں بھرتی ہونے کے لئے کہتے ہو۔ یا سپاہیوں کی تنخواہ کے لئے مجھ سے روپیہ وصول کرتے ہو۔ یا توپیں خریدنے کے لئے ٹیکس لیتے ہو۔ تو اس کا مطلب یہ ہے کہ میں بھی تمہارے ساتھ قتل کے جُرم کا مُرتکب ہوں۔ اور میں یہ فعل کرنے کے لئے کسی طرح بھی تیار نہیں۔ میں تمہارے اس روپے کو استعمال کرنے کے لئے بھی تیار نہیں۔ جو تم لوگوں سے قید اور مار پیٹ کی دھمکیاں دے کر وصول کرتے ہو۔ میں اُس زمین کو بھی استعمال کرنے کے لئے تیار نہیں جس کی تم حفاظت کرتے ہو۔ کیونکہ حفاظت کے سلسلے میں دو چار کا خون ہونا معمولی بات ہے۔

جب تک میں اندھا تھا۔ بے وقوف تھا۔ ان باتوں کو دیکھ اور سمجھ نہیں سکتا تھا۔ میں ان پر عمل کرنے کے لئے تیار تھا۔ لیکن اب میں نے سب کچھ دیکھ لیا ہے۔ سُن لیا ہے۔ اور سمجھ لیا ہے۔ اس لئے اس موجودہ نظام میں کسی طرح بھی کام کرنے یا مدد دینے کے لئے تیار نہیں۔

میں جانتا ہوں کہ تشدّد نے ہم پر پوری طرح اپنا عمل دخل جما لیا

ہے ۔ اور اس سے قطعی طور پر کنارہ کشی کرنا مشکل امر ہے ۔ لیکن میں کوشش کروں گا کہ اس تشدد کی دنیا سے الگ تھلگ رہوں ۔ اور اس میں قطعی طور پر حصّہ نہ لوں ۔ میں تشدد کا مددگار بننا نہیں چاہتا ۔ قتل اور غارت گری سے ہاتھ آئے مال کو میں ہاتھ لگانا نہیں چاہتا ۔ یہ گناہ ہے ॰

انسان کا جامہ یعنی منشّیہ جنم بار بار نہیں ملتا ۔ میں اپنی اس تھوڑی سی زندگی میں اپنے ضمیر کے خلاف کیوں چلوں ؟ اور تمہارے بُرے کاموں میں کیوں حصّہ لوں ؟ نہیں ! میں حصّہ دار نہیں بن سکتا ۔ بُرائی کو دُور سے سلام کرتا ہوں ॰

میرے خیالات میری زندگی کے ساتھ کیا سلوک کریں گے ۔ نہیں جانتا ۔ لیکن یہ ضرور ہے کہ میری آتما کو دُکھ نہیں مل سکتا ۔ میں ضمیر کی آواز پر قدم اُٹھاؤں گا ॰

یہ جواب ہے ۔ جو ہر ایک نیک دل انسان کو جو اس دُنیا میں رہتا ہے ۔ اور کھاتا پیتا ہے ۔ دینا چاہیئے ۔ اور گورنمنٹ کی تشدد آمیز حکومت کے ساتھ تعاون کرنے سے اجتناب کرنا چاہیئے ॰

مانا کہ دلائل دُنیا میں بہت سی باتوں کا فیصلہ کر دیتی ہیں ۔ اور انسان سچ ۔ جھوٹ میں تمیز کر لیتا ہے ۔ لیکن ضمیر کی آواز کے سامنے سب ہیچ ہیں ۔ ضمیر دل و دماغ کی بادشاہ ہے ۔ اس لئے ہر ایک کا فرض ہے کہ ضمیر کی آواز کے مطابق عمل کرے ۔ اور اپنی زندگی کو بہتر بنا دے ॰

بہت سے قارئین کہیں گے ۔ کہ یہ تو وہی پرانا اپدیش ہے۔ ایک طرف تو موجودہ نظام کو اُڑانے کی تلقین کی جاتی ہے ۔ لیکن دوسری طرف کوئی ایسی اسکیم پیش نہیں کی جاتی ۔ جس پر عمل پیرا ہوکر عوام فائدہ اُٹھا سکیں ۔ کہا جاتا ہے کہ حکومت کے کام سرمایہ داروں کے کام ۔ اور زمینداروں کا سلوک بُرا ہے ۔ ہم نے مان لیا ۔ لیکن جس اخلاقی ۔ روحانی اور مذہبی طاقت اور کشش کا تم ذکر کرتے ہو ۔ وہ ہے کہاں ؟ ذرا ہم بھی تو دیکھیں ۔

" جب عدم تشدّد کا مسئلہ لوگوں کے سامنے پیش کیا جاتا ہے تو وہ گھبرا اُٹھتے ہیں ۔ کیونکہ وہ سمجھتے ہیں کہ جائداد کی حفاظت تشدّد کے بغیر نہیں ہو سکتی ۔ جس کا جی چاہے گا جائداد پر قبضہ کرلے گا ۔ کیونکہ سزا کا خوف تو ہوگا ہی نہیں ۔ جن لوگوں کو دن رات اپنے جان و مال کا خیال رہتا ہے ۔ وہ ہماری بات کب سنیں گے ۔ اُن کے خیال کے مطابق تو عدم تشدّد سے دُنیا میں ابتری پھیل جائے گی ۔ داد فریاد کا سوال ہی نہ رہے گا "

میں یہ دُہرانا نہیں چاہتا کہ تشدّد کے ذریعے جائداد کی حفاظت نہیں ہو سکتی ۔ کیونکہ اس سے ابتری پھیلتی ہے ۔ بلکہ

تھوڑی دیر کے لئے میں مان لیتا ہوں کہ حفاظت کے بغیر ابتری پھیل جانے کا امکان ہے۔ لیکن پھر یہ سوال پیدا ہوتا ہے۔ کہ اُن لوگوں کو کیا کرنا چاہئے۔ جو موجودہ خرابیوں کا راز سمجھ گئے ہیں؟

اگر ہم جانتے ہیں کہ شراب خوری کی وجہ سے ہم بیمار ہو گئے ہیں۔ تو ہمارا فرض ہے کہ ہم شراب پینے کی عادت کو ترک کر دیں۔ اور نہ ہی ایسی ادویات استعمال کرنی چاہئیں۔ جو ہمیں تھوڑی دیر کے لئے صحت تو بخش دیں۔ مگر ہماری بیماری کی جڑ کو نہ کاٹیں۔

یہی حال ہماری سوشل بُرائیوں کا ہے۔ اگر ہم یہ سمجھ جائیں۔ کہ موجودہ خرابیاں اس لئے پیدا ہو گئی ہیں۔ کہ گورنمنٹ تشدد سے حکومت کرتی ہے۔ تو ہمارا فرض ہے کہ ان خرابیوں کو دُور کرنے کے لئے تشدد سے کنارہ کشی اختیار کریں۔ اور گورنمنٹ کے کسی ایسے معاملے میں ہاتھ نہ بٹائیں۔ جس میں تشدد کی بُو آتی ہو۔ جب تک ہمیں موجودہ خرابیوں کی وجوہات معلوم نہیں تھیں۔ موجودہ نظام کو جاری رکھ سکتے تھے۔ لیکن جب یہ ثابت ہو چکا ہے۔ کہ لوگ تشدد کی بنا پر مصیبت میں مبتلا ہیں۔ تو ہمیں اُس وقت تک چین نہ لینا چاہئے جب تک کہ تشدد کا خاتمہ نہ ہو جائے۔ اگر ایک شخص نشہ آور چیزیں استعمال کرنے سے بیمار ہو گیا ہے۔ تو وہ اُس وقت تک تندرست نہیں ہو سکتا۔ جب تک وہ اپنی عادات سے توبہ نہ کر لے۔ اسی طرح جب لوگ تشدد کی وجہ سے مصیبتوں کا شکار ہو رہے ہیں۔ تو اُن کا فرض ہو جاتا ہے۔ کہ مصیبتوں سے چھٹکارا پانے کے لئے تشدد کا قلع قمع کر دیں۔ جہاں تشدد کی جھلک دیکھیں

وہاں سے کوسوں دُور بھاگ جائیں +

مُصیبتوں سے بچنے کا۔ غلامی سے چھٹکارا پانے کا یہ صرف علاج نہیں۔ بلکہ ہمارا اخلاقی فرض ہے۔ کہ ہم ضمیر کی آواز پر عمل کریں۔ اور یہ عمل ضمیر کی آواز کے عین مطابق ہے۔ اگر ایک شخص کے یہ بات ذہن نشین ہو جائے۔ کہ اس کی جان و مال کی حفاظت میں اِس کے بھائیوں کا خون ہوتا ہے۔ وہ مارے جاتے ہیں۔ قتل ہو جاتے ہیں۔ تو وہ اگر ایک شریف انسان ہے۔ تو کبھی بھی ذراسی جائداد کے لیئے کسی انسان کا خون بہانا گوارا نہ کرے گا۔ لوگوں کو مُصیبت سے چھٹکارا حاصل کرنے کے لئے جس چیز کی ضرورت ہے۔ وہی ضمیر کی آواز کو برقرار رکھنے کے لئے بھی ضروری ہے۔ اور وہ عدم تشدّد کا رستہ ہے۔ ہر شخص کا فرض ہے۔ کہ پوری طرح عدم تشدّد پر کاربند رہے۔ تشدّد کے کسی کام میں ہاتھ نہ بٹائے۔ اور اِسے انصاف سے بعید سمجھے +

(گیلانی الیکٹرک پریس لاہور میں باہتمام بابو سوم پرکاشس پرنٹر و پبلشر نے چھپی)